

بیعت کی حقیقت

مرتبہ

حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنی مدظلہ العالی

خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز

Published by:

DARUL-ULOOM AL-MADANIA INC.

182 SOBIESKI STREET, BUFFALO, NY 14212-1506, U.S.A.

E-mail: office@madania.org

Web: www.madania.org

Darul Hikmah Inc.
Ph. 716-894-5715, Fax. 716-892-6621
www.darul-hikmah.org
0 1 4 0 7 9 9

بیعت کی حقیقت

مرتبہ

حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنی مدظلہ العالی

خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

فہرست مضامین

دیباچہ

(اضافہ شدہ ایڈیشن)

الحمد للّٰہ الذی کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

مغرب کی خدا بے زار تہذیب کے غلبہ اور الحاد اور بے دینی کے عام ہو جانے سے انسان کو جو بڑا نقصان پہنچایا ہے، وہ یہ کہ وہ اپنی روح اور روحانیت سے غافل ہوگیا ہے، مادیت کے عروج اور نفسانیت کے غلبہ نے اسے اس درجہ مبہوت کر دیا ہے کہ اس کی دل کی آنکھیں اپنی روشنی کھو بیٹھی ہیں۔ جس کی وجہ سے آج وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار اور لطیف روحانی جذبات سے محروم ہو کر محض جانور کی سطح پر زندگی گزار رہا ہے۔ **ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ٥**

افسوسناک المیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو ہدایت کی دولت اور ایمان کی روشنی سے مالا مال کیا ہے، وہ خود اپنی شناخت کھو بیٹھے ہیں۔ مغرب کی اندھی تقلید نے انہیں گناہوں کے ایسے دلدل میں دھکیل دیا ہے کہ ان کی اپنی فطرت الا ماشاء اللہ مسخ ہو کر رہ گئی ہے، احکام الٰہی سے بے نیاز اور غافل ہو کر زندگی گزارنے ان کے قلوب پر زنگ کی ایسی تہیں چڑھا دی ہیں کہ دین کے اساسی اور اہم احکامات کو سمجھنے میں بھی ان کو دقت ہوتی ہے۔

آج دین کے جن شعبوں کو بطور خاص ہدف تنقید بنایا جاتا ہے، ان میں سے ایک باطن کی اصلاح ،اخلاق کی درستگی اور نفس کا تزکیہ ہے، جسے امت نے تصوف کے پاکیزہ نام سے محفوظ رکھا ہے، بعض بے رحم لوگوں نے اسے افیون اور چنیا بیگم کا نام دے کر اس کا مذاق اڑایا ہے، اسے دنیا سے گریز، حالات سے منہ چھپانا اور گوشہ نشینی قرار دیا ہے جبکہ بعض دوسرے لوگوں نے اسے امت کے غم سے محرومی ،اجتماعی اصلاح سے غفلت اپنی ذات کی فکر او رانفرادیت کا نام دیا ہے۔ حالانکہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم مقدمہ اصلاح باطنی، درستگی اخلاق اور تزکیہ نفس "ویزکیھم" ہے۔

بعض لوگ ، جن کی زبان اور قلم سے کوئی محفوظ نہیں۔ کہتے ہیں عہد رسالت سے اب تک جتنے مجددین اور مصلحین آئے، ان کی تحریکیں محض اس لئے ناکام ہوئیں کہ انہوں نے امت کو اس چنیا بیگم میں لگا دیا۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ خود ان کے نزدیک بھی جو افراد باتفاق امت مجدد، مصلح اور اعلیٰ پایہ کے خدا ترس لوگ تھے۔ اللہ نے ان کو اپنے دین کی خدمت ، اور امت کی ہمہ گیر اور وسیع پیمانے پر اصلاح کے لئے چنا وہ بھی اس تزکیہ نفس کے بغیر یہ مقام حاصل نہیں کر سکے اور سب ہی نے اسے اپنے متعلقین میں پورے اہتمام اور قوت سے جاری کیا۔ بلکہ تصویر کو اگر بغور دیکھا جائے تو اسی گوہر بے بہا نے انہیں مقام اصلاح وتجدید سے سرفراز فرمایا۔

زیر نظر رسالہ میں اسی تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کے متعلق بحث کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ "بیعت" جو آج کل اجنبی چیز بنا کر پیش کی جارہی ہے، واقعہ میں کیا ہے؟ یہ کیوں کی جاتی ہے؟ اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کس قدر اہتمام فرمایا ہے۔ نیز یہ بات بھی سمجھانا مقصود ہے کہ جو لوگ بیعت کرنے کے لئے مشائخ کے پاس آتے ہیں انہیں کن خیالات کو سامنے رکھ کر بیعت

کرنا چاہئے، تا کہ مقصود کے حاصل کرنے میں آسانی رہے۔

یہ رسالہ پہلی بار ۱۹۸۷ء میں چھپا تھا اور الحمدللہ پھر اس کی بار بار طباعت مختلف مقامات سے ہوتی رہی۔ اس کا انگریزی ترجمہ پاکستان اور جنوبی افریقہ سے شائع ہوتا رہا۔ بعض مخلص احباب کا اصرار تھا کہ اس میں شیخ کی شرائط اور صفات کا بھی بیان آجانا چاہئے۔ یہ ناکارہ عرصہ سے رسالہ پر نظر ثانی کا ارادہ کر رہا تھا لیکن مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے موقع نہیں مل پا رہا تھا۔ اب الحمد للہ بہت سے نئے اضافوں کے ساتھ یہ رسالہ شائع کیا جارہا ہے۔

اس رسالہ میں بھی حسب سابق میرے تینوں بیٹے عزیزان مولوی منصور، مولوی ابراہیم اور مفتی حسین احمد سلمہم میرے شریک کار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔ ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے مخلص مولانا عبدالمعز سلمہ کا شکریہ ادا نہ کروں۔ جنہوں نے مضامین کی تلاش، رسالہ کی ترتیب اور دیگر اُمور میں اس ناکارہ سے بھی زیادہ محنت اور کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی جزائے خیر عطا فرمائے اور علم و عمل کی مزید ترقیات سے نوازے۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنی عفی عنہ

خادم : دارالعلوم المدینہ بفلو، نیویارک

۱۱ر جمادی الاول ۱۴۲۲ھ / بمطابق یکم اگست ۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع اوّل

الحمد للّٰہ الذی کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

یہ ناکارہ عرصہ تک مدینہ منورہ میں مقیم رہا۔ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ (۳۱ مئی ۱۹۸۶ء) کو کینیڈا آیا۔ مختلف اوقات میں مختلف قسم کے لوگوں سے ملنا ہوتا رہا۔ اکثر لوگ بیعت کے متعلق مختلف قسم کے سوالات پوچھتے رہتے ہیں۔ وقتی طور پر ان کا جواب دے دیا جاتا ہے۔ خیال ہوا کہ ایسی باتوں کو مختصراً تحریر کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ یہ مضمون تصوف کی کتابوں میں بکھرا ہوا موجود ہے۔ مگر علیحدہ ایک جگہ لکھ دیا جائے تو زیادہ نفع کی توقع ہے۔

لہٰذا اس کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اللہ جل شانہ لکھنے اور پڑھنے والوں کے لئے اس کو نافع بنائے۔ آمین

والسلام علٰی افضل المرسلین سیّدنا و مولانا محمد

وعلٰی الہٖ وصحبہ واتباعہ اجمعین

ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنی عفی عنہ

۲۹ رشوال ۱۴۰۷ھ / بمطابق ۲۶ رجون ۱۹۸۷ء

باب اول

بیعت کی شرعی حیثیت

''بیعت'' عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لغوی معنیٰ ''بیچنا'' ہیں۔ قدیم عربی رسم و رواج کے مطابق ''بیعت'' درحقیقت دو شخصوں کے درمیان کسی ایسے معاہدہ کے طے پا جانے کو کہا جاتا ہے جس میں علامتی طور پر ہاتھ میں ہاتھ دے کر عہد کیا جائے۔

بیعت کی تعریف

بیعت کی تعریف حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس طرح تحریر فرماتے ہیں :

لفظ ''بیعت'' دراصل کسی خاص کام پر عہد لینے کا نام ہے۔ اس کا قدیم اور مسنون طریقہ باہم عہد کرنے والوں کا ہاتھ پر ہاتھ رکھنا ہے۔ اگرچہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا شرط اور ضروری نہیں۔ بہرحال جس کام کا کسی سے عہد کیا جائے اس کی پابندی شرعاً واجب و ضروری ہے۔ اور خلاف ورزی حرام ہے۔'' (معارف القرآن)

بیعت کا ثبوت

بیعت کا ثبوت تو قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں بکثرت موجود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

آیاتِ قرآنی

۱۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا٥ (الفتح)

جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر (بیعت کے بعد) جو شخص عہد توڑے گا (یعنی بجائے اطاعت کے مخالفت کرے گا) تو اس عہد کے توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر (بیعت میں) خدا سے عہد کیا ہے تو عنقریب خدا اس کو بڑا اجر دے گا۔ (بیان القرآن)

۲۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَاَرْجُلِھِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْھُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَھُنَّ اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ٥ (الممتحنہ)

اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس (اس غرض سے) آئیں کہ آپ سے ان باتوں میں بیعت کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لائیں گی جس کو اپنے

ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (نطفہ شوہر سے جنی ہوئی اولاد
ہونے کا دعویٰ کر کے) بنالے ویں اور مشروع باتوں میں وہ
آپ کے خلاف نہ کریں گی (اس میں سب احکام شرعیہ
آگئے۔ پس وہ عورتیں اگر ان شرطوں کو قبول کرلیں جن کا
اعتقاد شرطِ ایمان ہے اور التزام شرطِ کمال ایمان ہے) تو
آپ ان کو بیعت کرلیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے
(پچھلے گناہوں کی) مغفرت طلب کیجئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور
رحیم ہے۔ (بیان القرآن)

اس آیت کے حاشیہ میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت بیعت کی غرض میں صریح ہے اور اس سے (آج کل کی) رسمی بیعت جس میں عمل کا اہتمام نہ ہو باطل ہونا لازم آتا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: ''اس آیت میں مسلمان عورتوں سے ایک تفصیلی بیعت کا ذکر ہے۔ جس میں ایمان و عقائد کے ساتھ احکام شرعیہ کی پابندی کا بھی معاہدہ ہے۔''

حضرت امیمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے چند دوسری عورتوں کی معیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن احکام شرعیہ کی پابندی کا معاہدہ اس بیعت میں لیا اس کے ساتھ یہ کلمات بھی تلقین فرمائے کہ فِیمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَاَطَقْتُنَّ ''یعنی ہم ان چیزوں کی پابندی کا عہد اس حد تک کرتے ہیں جہاں تک ہماری استطاعت و طاقت میں ہے۔'' امیمہؓ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و شفقت ہم پر خود ہماری ذات سے بھی زائد تھی کہ ہم نے تو بلا کسی قید و شرط کے عہد کرنا چاہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کی تلقین فرما دی تاکہ کسی اضطراری حالت

میں خلاف ورزی ہو جائے تو عہد شکنی میں داخل نہ ہو۔ (مظہری)

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس بیعت نساء کے متعلق فرمایا کہ عورتوں کی یہ بیعت صرف گفتگو اور کلام کے ذریعہ ہوئی۔ مردوں کی بیعت میں جو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا دستور ہے، عورتوں کی بیعت میں ایسا نہیں کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک نے کبھی کسی غیر محرم کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ (مظہری)

اور روایات حدیث سے ثابت ہے کہ یہ بیعت نساء صرف اس واقعہ حدیبیہ کے بعد ہی نہیں بلکہ بار بار ہوتی رہی، یہاں تک کہ فتح مکہ کے روز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد کوہ صفا پر عورتوں سے بیعت لی، اور پہاڑ کے دامن میں حضرت عمر بن خطابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو دہرا کر نیچے جمع ہونے والی عورتوں کو پہنچا رہے تھے جو اس بیعت میں شریک تھیں۔

اس وقت بیعت ہونے والی عورتوں میں ابوسفیانؓ کی بیوی ہندؓ بھی داخل تھیں جو شروع میں حیاء کے سبب اپنے آپ کو چھپانا چاہتی تھیں پھر بیعت میں کچھ احکام کی تفصیل آئی تو بولنے اور دریافت کرنے پر مجبور ہوگئیں۔ کئی سوالات کئے، یہ واقعہ تفصیل سے تفسیر مظہری میں مذکور ہے۔ (معارف القرآن۔ ج، ۷۔ص، ۴۱۶)

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

احادیث میں بھی یہ مضمون بکثرت وارد ہوا ہے۔ ساری احادیث کا احاطہ نہ تو ممکن ہے نہ ضروری۔ نمونہ کے لئے چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں

• بخاری شریف میں کتاب الایمان میں حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی روایت ہے:

عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنه و کان شهد بدرا وهو احد النقباء ليلة العقبة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال وحوله عصابة من اصحابه بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ شیأ ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادکم ولا تاتوا ببهتان تفترونه بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا فی معروف فمن وفی منکم فاجره علی اللہ ومن اصاب من ذالک شیأ فعوقب فی الدنیا فهو کفارة له ومن اصاب من ذالک شیأ ثم ستره اللہ فهو الی اللہ ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه فبایعناه علی ذالک.

''حضرت عبادہ بن صامتؓ جو غزوۂ بدر میں بھی شریک تھے اور لیلۃ العقبہ کے نقباء میں سے ایک تھے۔ ان سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف صحابہؓ کی ایک جماعت تھی، آؤ مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے اور نہ چوری کرو گے، نہ زنا کرو گے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے اور نہ کسی پر بہتان باندھو گے اور مشروع باتوں میں خلاف نہ کرو گے جو اس عہد کو پورا کرے اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اور جو ان چیزوں میں سے کسی کا مرتکب ہوگا اور اس کی سزا اس کو دنیا میں مل گئی تو یہ سزا اس کے لئے کفارہ ہوگی اور اگر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ستاری کی تو آخرت میں اللہ جل شانہ چاہے اس کو سزا دیں

چاہے معاف کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے۔ حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے ان باتوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔''

یہ بیعت نہ بیعت اسلام ہے نہ بیعت جہاد ہے، وہی بیعت صوفیاء ہے جو اُمورِ اسلام پر تاکید کے واسطے کی گئی۔

ایک اور حدیث میں ہے :

عن عوف بن مالک الا شجعیؓ قال کنا عند النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم تسعة او ثمانیة او سبعة فقال الاتبا یعون رسول اللّٰہ فبسطنا ایدینا وقلنا علام نبایعک یا رسول اللّٰہ قال علی ان تعبدوااللّٰہ ولا تشر کوا بہ شیأ وتصلوا الصلوات الخمس و تسمعوا وتطیعوا واسرَّ کلمة خفیة قال ولا تسئلوا الناس شیأ فلقدر أیت بعض او لئک النفر یسقط سوط احدھم فما یسأل احداً ینا ولہ ایاہ

(اخرجہ مسلم و ابوداؤد و النسائی)

''حضرت عوف بن مالک شجعیؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے۔ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یارسول اللہ ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اُمور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت

کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سنو اور مانو۔ اور ایک بات آہستہ فرمائی وہ یہ کہ لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان حضرات میں سے بعض کی یہ حالت دیکھی ہے کہ اتفاقاً چابک گر پڑا تو وہ بھی کسی سے نہیں مانگا کہ اٹھا کر ان کو دیدے۔" (مسلم. ابوداؤد. نسائی)

بیعت صوفیاء بدعت نہیں

اس حدیث کی شرح میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"حضرات صوفیاء کرام میں جو بیعت کا معمول ہے جس کا حاصل معاہدہ ہے، التزام اعمال ظاہری و باطنی کا جس کو ان کے عرف میں بیعت طریقت کہتے ہیں۔ بعض اہل ظاہر اس کو اس بناء پر بدعت کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں، صرف کافروں کو بیعت اسلام اور مسلمانوں کو بیعت جہاد کرنا معمول تھا مگر اس حدیث میں اس کا صریح اثبات موجود ہے کہ یہ مخاطبین چونکہ صحابہؓ ہیں اس لئے یہ بیعت اسلام یقیناً نہیں کہ تحصیل حاصل لازم آتی ہے اور مضمون سے ظاہر ہے کہ بیعت جہاد بھی نہیں بلکہ بدلالت الفاظ معلوم ہے کہ اعمال کے التزام واہتمام کے لئے ہے۔ پس مقصود ثابت ہوگیا۔"

اس کے بعد حضرت تھانویؒ نے حضرت عبادہؓ کی حدیث نقل کی ہے جو پہلے گزر چکی۔ اس کے فوائد میں لکھا ہے کہ:

"اس حدیث میں تصریح ہے کہ جن لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے بیعت کا امر فرمایا وہ صحابہؓ تھے۔ جس سے ثابت ہوا کہ علاوہ بیعت اسلام و جہاد کے ترک معاصی و التزام طاعات کے لئے بھی بیعت ہوتی تھی، یہی بیعت طریقت ہے جو صوفیاء میں معمول ہے۔ پس اس کا انکار ناواقفی ہے۔

میرے آقا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ ان دونوں احادیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں :

"ان دونوں حدیثوں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر شیخ بعض خصوصیات کی وجہ سے کسی مرید سے کہے کہ مجھ سے بیعت ہو جا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ان دونوں حدیثوں سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔"

امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی صاحبؒ "حیاۃ الصحابہ" میں "اسلامی اعمال پر بیعت" کے عنوان سے احادیث ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ا۔ حضرت بشیر بن خصاصیہؓ کہتے ہیں کہ میں بیعت کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے پوچھا کہ آپ کن امور پر مجھ سے بیعت لیتے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک (بیعت کرنے کے واسطے) پھیلائے اور فرمایا کہ تو گواہی دے اس بات کی کہ اللہ وحدہ' لاشریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور پانچوں نمازیں اپنے اپنے اوقات پر پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور حج کرے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرے۔ انہوں نے

عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب باتوں کی مجھے طاقت ہے مگر دو چیزوں کی طاقت نہیں۔ ایک زکوٰۃ کی کہ میرے پاس صرف دس اونٹ ہیں وہی میرے اہل وعیال کے دودھ کے لئے اور سواری کے لئے ہیں اور جہاد کی بھی طاقت نہیں کیونکہ میں کمزور دل ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ جو جہاد سے بھاگے تو اللہ تعالیٰ کے غصہ کا سبب ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میں جہاد میں شریک ہوں اور کسی وقت موت کے ڈر سے بھاگ جاؤں تو اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو کھینچ لیا اور حرکت دے کر فرمایا کہ او بشیر! جب نہ زکوٰۃ ہوگی نہ جہاد ہوگا پھر جنت میں کیسے جائے گا۔ تو میں نے عرض کیا کہ اچھا اپنے ہاتھ پھیلایئے میں بیعت کرتا ہوں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک پھیلائے اور میں نے ان تمام امور بالا پر بیعت کی۔"

(طبرانی فی الاوسط۔ ابونعیم۔ حاکم بیہقی۔ ابن عساکر کذافی کنز العمال۔ ج ، ۷۔ص ، ۱۲۔ احمد الیشمی۔ ج ، ۱۔ص ، ۴۲)

۲۔ حضرت جریرؓ کی روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر بیعت کی اور اس بات پر کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔

(اخرجہ احمد وابن جریر مثلہ کمافی کنز العمال۔ص ، ۸۲۔ والشیخان والترمذی)

دوسری روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جریر! اپنے ہاتھ پھیلا تو میں نے عرض کیا کہ کس بات کے لئے؟ تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس واسطے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا تابعدار رہنا دے اور ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی کر۔ اس کو انہوں نے بہت غور سے سنا اور آدمی بہت سمجھدار تھے اس لئے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تک مجھے طاقت ہے تواس کے بعد حضرت جریرؓ کا یہ کہنا لوگوں کے لئے رخصت کا سبب ہوگیا۔ (کنز العمال۔ص،۸۲)

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہے کوئی جو مجھ سے بیعت کرے تو حضرت ثوبانؓ نے عرض کیا کہ ہمیں بیعت فرما لیجئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر بیعت لی کہ کسی سے کوئی سوال نہیں کرے گا تو حضرت ثوبانؓ نے عرض کیا اس کو کیا ملے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت! تو حضرت ثوبانؓ نے بیعت کی۔ ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ مکہ میں، میں نے ان کو بڑے مجمع میں دیکھا کہ ان کا چابک گر جاتا تھا اور بعض دفعہ وہ کسی شخص کے کندھے پر گر جاتا اور وہ آدمی اٹھا کر پکڑاتا تو وہ نہیں لیتے تھے یہاں تک کہ خود سواری سے اتر کر لیتے تھے۔ (اخرجہ الطبرانی فی الکبیر۔ احمد۔ نسائی)

حضرت ابوذرؓ کی حدیث کے بہت سے الفاظ بہت سی سندوں سے نقل کئے گئے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ دفعہ مجھ سے اس پر بیعت لی کہ میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈروں۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ چھ دن انتظار کر اور ساتویں دن تجھ سے ایک بات کہوں گا، اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ ساتویں دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اولاً تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے تقوے کی، تنہائی میں بھی اور مجمع میں بھی، خلوت میں بھی جلوت میں بھی اور جب کوئی برائی ہو جائے تو اس کے بعد فوراً کوئی اچھا کام کرلیا کر اور کسی سے سوال نہ کر چاہے تیرا کوڑا ہی گر جائے اور کسی کی امانت نہ

رکھنا۔ (اخرجہ احمد کذانی الترغیب۔ ج ۲۔ ص ۹۹)

بیعت کی اقسام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر مختلف کاموں کے لئے بیعت لی ہے۔ اسلام میں داخل ہونے کے لئے یا پورے اسلام پر عمل پیرا ہونے کے لئے بھی بیعت لی ہے، اور بسا اوقات بعض خاص خاص اعمال کے کرنے کے لئے یا بعض گناہوں سے بچنے کے لئے بھی بیعت لی ہیں۔ اس طرح بیعت کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً :

۱۔ بیعت اسلام

جب کوئی کافر یا مشرک اپنے سابقہ عقیدہ سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہونے کا عہد کرتا ہے تو اس کو بیعت اسلام کہتے ہیں۔

۲۔ بیعت جہاد

جہاد کرنے کے لئے جو بیعت لی جاتی ہے اسے بیعت جہاد کہا جاتا ہے۔ جیسے حدیبیہ کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے بیعت لی تھی۔ اگر دشمنوں سے مقابلے کی نوبت آئی تو وہ بھاگیں گے نہیں بلکہ جب تک زندہ رہیں گے تب تک دشمنوں سے مقابلہ کریں گے۔

۳۔ بیعت خلافت

مسلمانو ں پر حاکم اور خلیفہ بنانے کے لئے کسی کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے متفقہ طور پر حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اسی طرح سلسلہ چلتا رہا۔ آج کل سعودی عرب میں یہی دستور رائج ہے کہ جب بادشاہ بنایا جاتا ہے تو اسی کے ہاتھ پر

لوگ بیعت کرتے ہیں۔

۴۔ کبائر سے اجتناب پر بیعت

یہ وہی بیعت ہے جس کا ذکر اوپر قرآن مجید کی آیت نمبر ۲ میں کیا گیا ہے۔ احادیث میں بہت کثرت سے اس قسم کی بیعت کے واقعات مذکور ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں سے اور عورتوں سے بعض گناہوں سے اجتناب پر بیعت لی، حتیٰ کہ بعض عورتوں سے اس بات پر بیعت لی تھی کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی۔

۵۔ اسلامی اعمال پر بیعت

جیسا کہ مندرجہ بالا احادیث میں مذکور ہے کہ یہ بیعت طریقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اب تک متوارث سلسلہ وار چلی آرہی ہے۔ اس کو قرآن مجید کی اصطلاح میں تزکیہ اور حدیث شریف میں اس کو احسان کہا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث جبرئیل میں مذکور ہے، اسی کا نام بعد میں تصوف مشہور ہوگیا، اسی کو پیری مریدی بھی کہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ جو چار بڑے بڑے کام تھے جن کا ذکر قرآن پاک میں چار جگہ فرمایا گیا ہے۔ ان میں ایک کام یہی تزکیہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيِّيْنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعة)

''وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں انہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب

اور حکمت (دانشمندی) کی باتیں (جس میں سب علوم ضروریہ دینیہ آگئے) سکھلاتے ہیں۔''

حضرت شاہ ولی اللہؒ جو اپنے وقت کے مجدد، عظیم مصلح اور باتفاق امت بہت بڑے عالم اور صاحب دل بزرگ تھے۔ اپنی تصنیف ''القول الجمیل'' میں تحریر فرماتے ہیں:

بیعت کی اقسام شاہ ولی اللہؒ کے الفاظ میں

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡهِمۡ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِهٖ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیۡهُ اللّٰہَ فَسَیُؤۡتِیۡهِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ؀ (الفتح: ۱۰)

''بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے، پھر جو عہد توڑتا ہے تو وہ خود اپنی ذات کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو جس چیز پر اللہ سے عہد کرتا ہے، اسے پورا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بڑا اجر عطا فرماتے ہیں۔''

احادیث مشہورہ سے ثابت ہے کہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف امور پر بیعت کیا کرتے تھے، چنانچہ:

''کبھی اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے اور (دین و ایمان کے خاطر ترک وطن اور) ہجرت پر بیعت کی گئی کبھی (احکام دین اور) ارکان اسلام پر عمل کرنے پر پابندی اور استقامت کے لئے بیعت کی گئی۔''

کبھی کفار کے خلاف جنگ میں ثابت قدم رہنے اور جم کر لڑنے پر بیعت

کی گئی۔ جیسا کہ بیعت رضوان میں (صلح حدیبیہ کے موقع پر) کیا گیا۔

کبھی اس بات پر بیعت کی گئی (کہ احکام دین پر ہو بہو عمل کریں گے اور دین میں) بدعت سے بچیں گے۔

کبھی عبادات پر ذوق وشوق سے عمل کرنے پر بیعت کی گئی۔

(کبھی معاصی سے بچنے پر بیعت کی گئی) چنانچہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی عورتوں سے مردوں پر نوحہ نہ کرنے پر بیعت لی۔

ابن ماجہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند محتاج مہاجرین سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کریں گے۔ (چنانچہ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ) ان میں سے کسی شخص کا اگر (سواری کی حالت میں) کوڑا بھی گر جاتا تھا تو خود گھوڑے سے اتر کر اسے اٹھاتا تھا، کسی سے اٹھا کر دینے کا سوال بھی نہ کرتا تھا۔

صوفیاء میں رائج بیعت مسنون ہے

اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جو فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق عبادت اور اہتمام ثابت ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ محض عادتاً نہ کیا ہو، ایسا فعل کسی بھی طرح سنت کے درجہ سے کم نہیں۔

اب ہم کو چاہئے کہ بیعت کے بارے میں بحث کریں کہ وہ کون سی قسم میں داخل ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں، بیعت محض خلیفہ کو تسلیم کر لینے اور قیام سلطنت کے لئے ہوتی ہے۔ اور جو صوفیاء کی عادت ہے کہ وہ اپنے مریدین سے بیعت لیتے ہیں، اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ یہ تو خام خیالی اور گمان فاسد ہے۔ چونکہ ہم دلیل سے یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ارکان

اسلام کے قیام پر اور کبھی سنت پر چلنے پر بیعت لی۔

صحیح بخاری کی حدیث شہادت دیتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریرؓ کے ساتھ بیعت لیتے وقت یہ شرط لگائی کہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرو گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے بیعت لیتے وقت شرط لگائی کہ وہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے اور جہاں بھی ہوں، حق بات کو لیں گے۔ چنانچہ ان میں سے بعض امراء و سلاطین کے سامنے بھی بلاخوف وخطر حق بات کہہ ڈالتے اور ان پر رد و انکار کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی عورتوں سے بیعت لی اور یہ شرط لگائی کہ نوحہ کرنے سے پرہیز کریں گی۔ ان معاملات کے علاوہ اور بہت سے امور پر بیعت ثابت ہے، جن کا تعلق براہ راست (اصلاح باطن اور) تزکیہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہے۔

عہد سلاطین میں بیعت کا یہ سلسلہ اس لئے بند ہوگیا تھا کہ کہیں بیعت خلافت سے اشتباہ ہوکر فتنہ کا سبب نہ بن جائے۔ اس دور میں اہل تصوف نے خرقہ دینے کو بیعت کے قائم مقام کرلیا تھا، پھر ایک زمانہ کے بعد جب بادشاہوں اور سلاطین میں بیعت خلافت کا سلسلہ متروک ہوگیا تو صوفیاء نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر بیعت کا سلسلہ پھر شروع کر دیا۔

اسی بیعت کی آخری قسم کے بارے میں، جس کا تعلق اصلاح اعمال سے ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ''القول الجمیل'' میں دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

صوفیاء میں بیعت کا جو سلسلہ چلا آرہا ہے وہ کئی طریق پر ہے۔

پہلا طریقہ : معاصی (اور گناہوں) سے توبہ کرنا ہے، جسے بیعت توبہ کہا جاتا ہے۔

دوسرا طریقہ : حصول تبرک ہے یعنی برکت کے لئے صالحین کے

سلسلہ میں داخل ہونا ، اسے بیعت تبرک کہتے ہیں ، یہ بالکل ایسے ہے جیسے محدثین کے ہاں سلسلہ اسناد ہوتا ہے کہ اس سے یقیناً برکت حاصل ہوتی ہے۔

تیسرا طریقہ : (اصلاح حال اور تزکیہ باطن کے لئے) عزم مصمم کرنا ہے ، اسے بیعت عزیمت کہا جاتا ہے ، اس میں بیعت کرنے والا یہ پختہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ اللہ کے (احکامات و) اوامر اخلاص کے ساتھ پورے کرے گا اور اس کی (منع کردہ چیزوں اور) منہیات سے ظاہراً اور باطناً (کھل کر اور چھپ کر ہر صورت) پرہیز کرے گا۔ اور صمیم قلب سے اللہ تعالیٰ سے لو لگائے گا۔ یہی تیسرا طریقہ اصل مطلوب ہے۔

پہلے دو طریقوں پر بیعت درحقیقت کبائر کو چھوڑنے ، صغائر پر اصرار نہ کرنے اور واجبات اور سنن ہائے مؤکدہ وغیرہ طاعات کو اختیار کرنے کا نام ہے۔ جبکہ ان دونوں بیعتوں کی عہد شکنی یہ ہے کہ کبائر کا ارتکاب کیا جائے یا صغیرہ گناہوں پر اصرار کیا جائے یا طاعات (واجبہ و مسنونہ) کی ادئیگی میں سستی کی جائے۔

حقیقی بیعت

تیسرے طریقہ پر بیعت کرنا درحقیقت ہر قسم کے گناہوں کو چھوڑنے پر دوام اختیار کرنے اور (معاصی سے رکنے اور طاعات پر جمنے کے لئے) مجاہدہ اور ریاضت کرنے کا نام ہے۔ حتیٰ کہ قلب اطمینان کے نور (اور شرح صدر) سے منور ہو جائے (اور احکام الٰہی پر چلنا) اس کی عادت طبیعت اور جبلت بن جائے اور بلا تکلف اس سے (احکام الٰہی) پورے ہونے لگیں۔

جب یہ حالت حاصل ہو جاتی ہے تو کبھی کبھی اس کو شرعاً بعض مباح لذات سے استمتاع کی اجازت دیدی جاتی ہے اور راسخ کو اس قسم کے مشاغل میں

لگنے کی اجازت ہو جاتی ہے جن کو عرصہ دراز تک چھوڑنا اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ جیسے درس و تدریس اور قضا وغیرہ۔ اس تیسری قسم میں بیعت شکنی درحقیقت نورانیت قلب کے حصول سے پہلے پیچھے ہٹ جانے کا نام ہے۔

بیعت کی ضرورت

انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ ایک جسم اور دوسرے روح۔ دونوں کی بقاء اور صحت کے لئے اسباب و وسائل مقرر ہیں۔ جسم کی بقاء کے لئے غذا ضروری ہے اسی طرح روح کے لئے روحانی غذا یعنی طاعات اور ذکر اللہ ضروری ہے۔ جس طرح جسم کو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں ، اسی طرح روحانی بیماریاں بھی ہوتی ہیں جن کو امراض باطنیہ یا امراض قلبیہ بھی کہتے ہیں جیسے کبر، عجب ، ریا ، حسد ، بغض ، حب مال، حب جاہ وغیرہ۔ جس طرح جسمانی بیماریوں کا علاج نہ کرایا جائے تو جسم کمزور ہوتے ہوتے بالآخر موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روح کی بیماریوں کا علاج نہ کرایا جائے تو روح بھی بالآخر موت کا شکار ہو جاتی ہے۔ روح اور قلب کی موت جسمانی موت سے زیادہ خطرناک ہے۔ قرآن پاک اور احادیث میں قلب کی صحت پر بہت زور دیا گیا ہے اور قلب کے امراض اور قلب کی موت سے بہت ڈرایا گیا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (البقرہ)

''یعنی ان کے دلوں میں بڑا مرض ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے مرض کو اور بڑھا دیا۔''

ایک اور جگہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (الحج)

''بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔''

ایک اور جگہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۝ (الشعراء)

''یعنی جس دن میں کہ (نجات کے لئے) نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، مگر ہاں (اس کو نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس قلب سلیم (یعنی پاک دل اور صحت مند دل) لے کر آئے گا۔''

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا نقل کی گئی ہے :

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِیْ لِذِکْرِکَ

''یعنی اے اللہ! میرے دل کے کان (مسام) اپنے ذکر کے لئے کھول دے۔''

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے :

اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ

(رواہ البخاری ومسلم)

''جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست رہتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، اور وہ دل ہے۔''

جسمانی اور قلبی امراض میں فرق

جسمانی امراض اور قلبی امراض میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ جسمانی امراض تو معلوم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بخار، سر میں درد، پیٹ میں درد، وغیرہ کی تکلیف محسوس ہو جاتی ہے مگر قلبی امراض کا آدمی کو پتہ نہیں چلتا جس کی وجہ سے ان کے علاج کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا۔ اس کے لئے کسی روحانی معالج جس کو پیر یا شیخ کہتے ہیں اس کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ وہ مرض کی تشخیص بھی کر لے اور اس کا علاج بھی تجویز کر لے۔ علیحدہ علیحدہ قلبی امراض کی مضرتوں اور وعیدوں کا ذکر قرآن پاک میں اور احادیث میں آیا ہے۔ مثلاً جس شخص کے اندر رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔ یا مثلاً ریا کی وجہ سے اعمال قبول نہیں ہوتے۔ اور ریا کو شرک اصغر بھی کہا گیا ہے۔ یا مثلاً حسد کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے یا مثلاً شب برأت میں جن لوگوں کی مغفرت نہیں ہوتی ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کے اندر بغض ہوتا ہے۔ اسی طرح دیگر امراض کے متعلق بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آدمی کسی ایسے معالج کے پاس جا کر اس سے اپنا علاج کرائے۔

بیعت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی جسمانی مریض جس کو بہت پرانا شدید مرض لاحق ہو یا ایک سے زیادہ امراض میں مبتلا ہو تو اپنی دوسری دنیوی ضروریات کو مؤخر کر کے سب سے پہلے یہ معلوم کرے گا کہ میرے ان امراض کے لئے کون سا ڈاکٹر یا حکیم ماہر زیادہ مناسب ہے۔ خوب تحقیق کرے گا جب تحقیق کے بعد معلوم ہوگا کہ فلاں معالج زیادہ موزوں ہے تو اس کے پاس جا کر اس سے اپنا علاج کرانے کا معاہدہ کرے گا۔ معالج اس سے عہد لے گا کہ اس مرض کا علاج وقت

طلب ہے۔ اس کے لئے جو نسخہ میں تجویز کروں گا، اس کے مطابق دوائی وغیرہ استعمال کرنی پڑے گی اور جن چیزوں سے پرہیز بتلاؤں گا ان سے مکمل پرہیز کرنا ہوگا۔ مریض ان دونوں شرطوں پر عمل کرنے کا عہد کرے گا تو معالج کہے گا کہ ہر دو ہفتہ کے بعد آکر اپنا حال بتلا کر معائنہ کروانا پڑے گا۔ ان سب باتوں کو مریض قبول کرلے تو یہ گویا بیعت یا عہد ہوگیا اگر مریض اس پر پابندی سے عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو شفایاب فرمائیں گے۔

بیعت قلبی امراض کا علاج

اسی طرح سے قلبی امراض کے علاج کے لئے معالج سے رجوع کرنا ہوتا ہے اور اس کے تجویز کردہ نسخے کو استعمال میں لانا ہوتا ہے اور جو پرہیز (حرام سے اور بعض مباحات سے) وہ معالج بتلائے ان سے پرہیز کرنا ہوتا ہے اور وقتاً فوقتاً اس کو اپنا حال بتلانا ہوتا ہے، اسی کا نام بیعت یا ارادت یا مرید ہونا ہے۔ اگر قلبی مریض یا مرید اس عہد پر پابندی کے ساتھ عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو قلبی و روحانی بیماریوں سے شفایاب فرمائیں گے اور اس کو اپنے مقربین و مقبولین میں شامل فرمائیں گے۔ قلبی بیماریوں کے علاج کا ایک اہم جز اپنے پیر کی صحبت میں معتدبہ وقت رہنا بھی ہوتا ہے۔ جیسے جسمانی بیماریوں کے علاج کے لئے ہسپتال میں داخل ہونا ہوتا ہے۔ اگر بُعد مکان یا کسی اور عذر کی وجہ سے صحبت میں رہنا ممکن نہ ہو تو باقاعدگی کے ساتھ خط و کتابت کا التزام کرے۔

علاج کی مدت

اس علاج کی کوئی مدت نہیں ہے۔ جتنے آداب اور شرائط کی رعایت رکھی جائے گی اتنی ہی جلدی کام بن جائے گا اور جتنی اس میں غفلت برتی جائے گی اتنی ہی تاخیر ہوگی۔ اس کے لئے صحبت شیخ بہت ضروری ہے۔ عام طور سے اس راستے کو

بہت مشکل سمجھا جاتا ہے، اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ولی اور مقرب بننا اتنا آسان نہیں ہے۔ شیطان ان کو اس خیال میں مبتلا کر کے اس راستے کی طرف آنے ہی نہیں دیتا۔ حالانکہ قلبی امراض کا علاج کروانا ہر مسلمان پر ضروری ہے تو جو امر اتنا ضروری ہو وہ دشوار اور ناممکن الحصول کیسے ہوسکتا ہے؟ پہلے زمانہ میں لوگوں کے قویٰ مضبوط تھے، اس لئے ان سے بڑے بڑے مجاہدات کروائے جاتے تھے اور بڑی بڑی ریاضتوں کے بعد منزل مقصود تک پہنچنا ہوتا تھا مگر آج کل چونکہ قویٰ ضعیف ہوگئے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ راستہ بھی آسان فرما دیا ہے۔ حضرت صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی رسالہ ''محبت'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

ہم کمزوروں پر اللہ کی خصوصی رحمت

آج کل چونکہ قویٰ کمزور ہوگئے ہیں، ہمتیں پست ہیں۔ قرب قیامت ہے جس میں تھوڑا سا کام بھی قبول کرلیا جاتا ہے۔ تھوڑی سی ناقص کوشش پر کامیاب کر دیا جاتا ہے جیسا کہ آخر زمانہ کے متعلق آیا ہے کہ کوئی دسواں حصہ دین کا کام کرلے تو پچاس صحابہ کے عمل کرنے کا ثواب پاتا ہے۔ کما فی الحدیث اجر خمسین منکم (مشکوٰۃ۔ ص، ۴۳۷) اسی طرح آج کل سلوک الی اللہ بھی ایسا ہی آسان ہے جیسا کہ سلوک الی بیت اللہ (یعنی بیت اللہ کا سفر) آسان ہو گیا ہے۔ پہلے تو دور کے ملکوں سے مکہ مکرمہ آنے کے لئے پیدل اور اونٹوں پر مہینے اور برس لگتے تھے۔ اب ہزاروں میل سے دو تین گھنٹوں میں بیت اللہ شریف پہنچ جانا نصیب ہو جاتا ہے۔ بس یہی شرط ہے کہ سواری میں بیٹھنے کے قابل ہو، ٹکٹ پاسپورٹ وغیرہ ہو اور سواری چل بھی رہی ہو اور اس کا رخ بھی مکہ مکرمہ کی طرف ہو۔ اگر اس میں کوئی شرط نہ پائی گئی تو چاہے مکہ کے عشق میں کتنا ہی گلے پھاڑ پھاڑ کر مکہ مکہ کہتا رہے، مکہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس آسانی کا مطلب یہ ہے کہ اب اس راستہ میں کوئی ایسا

کام نہیں لیا جائے گا۔ جس سے قویٰ کمزور یا متحمل نہ ہوں۔ عمر تھوڑی ہونے کی وجہ سے اس راستہ کی مدت بہت تھوڑی ہوگئی۔ مثلاً برسوں کی بجائے چار مہینے کافی ہیں (محبت۔ص ،۱۱۴) بلکہ بعض اوقات صرف چالیس دن یا اس سے کم میں بھی کام بن جایا کرتا ہے۔

بیعت کی حقیقت

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کی تصانیف اور ملفوظات میں بیعت کی حقیقت ، مرشد کی صفات اور مرید کے لئے آداب کا ذکر بکثرت آیا ہے ، قارئین کے استفادے کے لئے آگے حضرتؒ ہی کے الفاظ میں انہیں ذکر کیا جاتا ہے۔حضرت حکیم الامت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں :

''اور حقیقت ، بیعت اور پیری مریدی کی یہی ہے کہ پیر وعدہ کرتا ہے ذکر اور اللہ کے حکموں کو بتلانے کا (اور مرید کے امراض باطنہ کی تشخیص اور ان کا علاج تجویز کرنے کا) اور مرید اقرار کرتا ہے کہ پیر جو بتلا دے گا ،اس پر عمل ضرور کرے گا اور اگرچہ پیر کی طرف سے یہ تعلیم اور مرید کی طرف سے پیر کے بتلائے ہوئے پر عمل بدوں اس خاص طریقہ کے بھی ہوسکتا ہے کہ جس طریقہ سے مرید ہونے کا دستور ہے لیکن اس خاص طریقہ سے مرید ہونے میں یہ خاصیت ہے کہ پیر کی توجہ مرید پر زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور مرید کو پیر کا کہنا ماننے کا زیادہ خیال ہو جاتا ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ایک ہی پیر کرے اور اپنے پیر کو اس زمانے کے سب بزرگوں سے اچھا سمجھے ، اس کی مصلحت فقط یہی ہے کہ اس صورت میں

دونوں طرف سے تعلق بڑھ جاتا ہے (جو کہ اصلاح اور ترقی کے لئے ضروری ہے) رہا ہاتھ میں ہاتھ لینا یا کوئی کپڑا وغیرہ عورت کو پکڑا دینا جبکہ وہ پاس ہو یہ بزرگوں کی ایک نیک رسم ہے (جو مسنون بھی ہے) اس اقرار کی مضبوطی کے واسطے جو کہ پیر اور مرید میں ہوتا ہے باقی یہ اقرار دونوں طرف سے بدوں اس کے بھی ہوسکتا ہے۔ اس وجہ سے جو شخص دور سے مرید ہونا چاہے اس کو بدوں ہاتھ میں ہاتھ رکھے مرید کر لیتے ہیں۔ اور حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دینے کا طریقہ اچھا ہے۔ چنانچہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیعت فرماتے تھے تو مریدوں کا ہاتھ اپنے دست مبارک سے پکڑ کر بیعت فرماتے تھے۔ اور کپڑے وغیرہ کو پکڑا دینا یہ بجائے ہاتھ پکڑنے کے ہے۔" (تسہیل قصد السبیل۔ ص، ۲۱)

ایک اور جگہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں :

"بیعت کی اصلی حقیقت خود لفظ بیعت وارادت اور مرید کی اصطلاح بلکہ لفظی معنیٰ ہی سے واضح ہو جاتی ہے۔ ارادہ محض آرزو اور تمنا کا نام نہیں بلکہ مراد کو پورا کرنے کے لئے ضروری اسباب و وسائل کی بہم آوری میں لگ جانا یا منزل مقصود کی طرف چل پڑنا ہے بس مرید بھی اصطلاحاً وہ ہے جو اپنی دینی خصوصاً باطنی وقلبی اصلاح و درستی کو مراد و منزل بنا کر اس کے ضروری وسائل اختیار کرتا اور اس کی طرف چل پڑتا ہے اور بیعت کے معنیٰ ہیں اس منزل مقصود کے لئے کسی

زیادہ واقف کار کو رہبر و رفیق بنا لینا اور اس کے پیچھے یا ساتھ چلنا تا کہ نہ صرف گمراہی کے خطرات سے حفاظت ہو بلکہ راستہ سہولت و راحت سے قطع ہو۔ بالفاظ دیگر اپنے سے زیادہ واقف و ماہر مصلح کے ہاتھ میں اپنے کو اس طرح سونپ دے جیسے مریض کسی حاذق طبیب کے حوالے اپنے کو کر دیتا اور دوا پرہیز میں کاملاً اس کی تجویز و ہدایت پر عمل کرتا ہے۔

(تصوف وسلوک۔ص،۹۹)

بیعت کے سلسلہ میں افراط وتفریط

پیری و مریدی یا بیعت و ارادت کی حقیقت وضرورت میں بہت افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے۔ ایک طرف اس کو سرے سے بعضوں نے بدعت سمجھ رکھا ہے اور دوسری طرف صرف ایک رسم بنا رکھا ہے کہ بس دست بوسی و پابوسی کرلی باقی خود کچھ کرنے کرانے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ نری پیری مریدی میں کچھ نہیں رکھا۔ اصل کام خود چلنا ہے اور کسی رہبر کا ہاتھ پکڑنا۔ اگرچہ (رسمی) مرید کسی سے بھی نہ ہو یہ مطلب نہیں کہ سلسلہ میں داخل ہونے سے برکات کچھ نہیں لیکن اس کو اصل الاصول سمجھنا بڑی غلطی ہے (بلکہ) اصلی غرض اور مقصود سلوک کا رضائے حق کو سمجھے جس کا طریق احکام شرعیہ کا بجالانا اور ذکر پر مداومت کرنا ہے۔ شیخ اس کی تعلیم و تلقین کرتا ہے اور مرید اس پر کار بند ہوتا ہے اگرچہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو اور نہ کوئی کمال اس کے زعم میں حاصل ہو تب بھی آخرت میں اس کا ثمر جو کہ رضاء سے ظاہر ہوگا اور رضاء سے دخول جنت ولقاء حق اور دوزخ سے نجات میسر ہوگی، اور شیخ کی طرف سے تلقین کا وعدہ اور مرید کی طرف سے اتباع کا عہد یہی پیری مریدی کی حقیقت ہے اور گویا تعلیم بدوں بیعت متعارفہ (یعنی مشہورہ) بھی ممکن ہے لیکن خاص

طور پر بیعت کرنے میں طبعاً یہ خاصہ ہے کہ شیخ کی توجہ زیادہ ہو جاتی ہے اور مرید کو پاس فرمانبرداری زیادہ ہو جاتا ہے اور شیخ کی تعیین (یعنی ایک معین شخص ہونا) اور وحدۃ (یعنی ایک ہی ہونے) میں بھی یہی حکمت ہے کہ اس سے جانبین کو خصوصیت بڑھ جاتی ہے اور باقی ہاتھ میں ہاتھ لینا یا عورت کو کوئی کپڑا وغیرہ پکڑا دینا جبکہ وہ پاس ہو یہ محض ایک معاہدہ کی تاکید کے لئے ایک عادت صالحہ مستحسنہ ہے اور معاہدہ کا جزو نہیں (نہ مقصود ہے نہ کسی مقصود کا موقوف علیہ) اسی وجہ سے غائب کے لئے اس کی رسم نہیں (یعنی غائب کی بیعت بغیر ہاتھ میں ہاتھ لئے بذریعہ تحریر وغیرہ بھی ہو جاتی ہے اور اس کا استحسان سنت میں بھی وارد ہے، چنانچہ مردوں کے لئے ہاتھ پکڑنا منقول ہے اور کپڑا وغیرہ ہاتھ میں دینا یہ ہاتھ پکڑنے کے قائم مقام ہے۔

(تسہیل قصد السبیل۔ص، ۸)

ظاہری اعمال اور ان کے مسائل سیکھنے کے لئے بھی عادتاً استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر استاد کے یہ کام بھی درست نہیں ہوتا، لیکن اعمال باطنہ جن میں بعض فرائض و واجبات اور کچھ حرام و مکروہ ہیں جو تصوف و طریقت میں بیان کئے جاتے ہیں ان کا علم حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے استاد کی ضرورت اس سے زیادہ ہے۔ ان مسائل کے استاد کو اصطلاح میں شیخ یا مرشد یا پیر کہا جاتا ہے۔

باطنی رذائل کو سمجھنا اور ان کا علاج کرنا عادتاً شیخ و مرشد کے بغیر نہیں ہو سکتا اس لئے جو شخص اس طریق میں قدم رکھے اس کے لئے ضروری ہے کہ شیخ و مرشد کی تلاش کرلے۔ جب وہ مل جائے تو اس کی طرف رجوع کرے اور اس کی تعلیم کا پورا پورا اتباع کرے۔ توبہ پر عمل کرنا شروع کرے گا تو معلوم ہوگا اس کی تکمیل میں بھی جگہ جگہ پیر و مرشد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر شیخ کامل کی رہبری کے توبہ بھی مکمل ہونا مشکل ہے۔ (تسہیل قصد السبیل۔ص، ۱۹)

ایک اور جگہ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں :

امراض باطنی کی تشخیص شیخ ہی کر سکتا ہے

۱؎ یہ یقینی ہے کہ بیعت طریقت کی ضرورت عام نہیں لیکن باوجود اس کے پھر بھی نفس میں بعض امراض خفیہ ہوتے ہیں کہ وہ بدوں تنبیہ شیخ محقق عارف کے سمجھ میں نہیں آتے اور اگر سمجھ میں آ بھی جاتے ہیں تو ان کا علاج سمجھ میں نہیں آتا اور ۲؎ جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشا کشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے ان ضرورتوں سے پیر کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے اور ان کا علاج و تدبیر بتلاتا ہے کیونکہ ۳؎ خود اپنی حالت کو سمجھنا آسان نہیں ہے اور شیخ کو بصیرت ہوتی ہے کیونکہ وہ بہت سے مغالطے دیکھ چکا ہے اور بہت سے گرم و سرد چکھ چکا ہے جو پریشانی تم کو پیش آتی ہے وہ اس کو بارہا پیش آچکی ہے اس کو بھی کسی صاحب بصیرت نے سنبھالا تھا بار بار تجربہ ہونے سے اس کو پوری بصیرت حاصل ہوگئی ہے تو وہ ہر حالت کو پہچانتا ہے کہ اس میں کتنا حق اور کتنا باطل شامل ہے اور کتنی واقفیت اور کتنا دھوکہ ہے اور اپنے آپ اپنی حالت کو اگر کوئی شخص کسی وقت پہچان بھی لے لیکن اپنی تشخیص پر اطمینان نہیں ہوسکتا۔ پوری پہچان اسی کو ہے جو بارہا تجربہ کر چکا ہے پھر اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی مدد بھی شامل ہوتی ہے اس کا بتایا ہوا علاج سہل اور کامل ہوتا ہے، کوئی شخص کتنا ہی عالم فاضل ہو اور طب کی کتابیں بھی پڑھ لیتا ہو مگر باقاعدہ کسی طبیب کے پاس رہ کر مشق نہ کی ہو اگر وہ خود اپنا علاج محض کتابی نسخوں سے کرنے لگے تو خطرے کا باعث نہیں تو اور کیا ہے لہٰذا ۴؎ کتب طب سے کوئی مریض اپنا معالجہ نہیں کر سکتا۔ حالانکہ کتابوں میں سب کچھ موجود ہے

۱؎ انفاس عیسیٰ۔ص،۱۶ ۲؎ قصد السبیل۔ص،۳۸

۳؎ الباطن۔ص،۵۹ ۴؎ الرغبۃ المرغوبہ۔ص،۲۱

اور طبیب ان ہی سے علاج کرتا ہے مگر تم نہیں کر سکتے۔ اگر معمولی مرض کا علاج کر بھی لیا تو شدید امراض کا علاج تو کبھی نہیں کر سکتے۔

حضرت تھانویؒ کا واقعہ

مجھے ہر سال برسات کے آخر میں بخار آیا کرتا تھا اور حکیم صاحب ہر سال قریب قریب ایک ہی نسخہ لکھتے تھے۔ میں نے کہا لاؤ اس کو لکھ لیں جب بخار آیا کرے گا تو اس کو استعمال کرلیا کریں گے۔ چنانچہ ایک سال ایسا ہی کیا مگر خاک نفع نہ ہوا۔ آخر کار حکیم صاحب کو بلایا انہوں نے نسخہ لکھا اس کے پینے سے آرام ہوا۔ پھر تحقیق ہوئی کہ اس سال صفراء کے ساتھ بلغم صاحب بھی تشریف لے آئے ہیں اب اگر میں نے یہ نسخہ بھی نقل کرلیا کہ چلو اس میں صفراء وبلغم دونوں کی رعایت ہے تو اس کا اندازہ کیسے ہوتا کہ اس سال بلغم صفراء سے زیادہ یا مساوی ہے یا کم ہے اس کا اندازہ تو طبیب ہی کرسکتا ہے جو نبض کی حالت کو پہچانتا ہو اس لئے کتب طب سے معالجہ کرنا طبیب ہی کا کام ہے۔

غرض [1] نہ بغیر چلے کام چلتا ہے نہ بغیر رفیق سیدھا رستہ ملتا ہے اگر ایک نابینا کسی جگہ پہنچنا چاہے تو اول اس کو خود چلنے کی ضرورت ہے اگر چلے نہیں تو ہزار رفیق بھی ملنے پر راستہ قطع نہ ہوگا۔ البتہ چلنے کے بعد رہبر اور رفیق کی بھی ضرورت ہے کیونکہ اگر رہبر نہ ہو تو نابینا راستہ میں ضرور کسی جگہ ٹھوکر کھا کر گرے گا۔ بے خطر منزل پر پہنچنے کی صورت یہی ہے کہ اپنے پیروں چلے اور رہبر کا ہاتھ پکڑ لے بالکل ویسی ہی حالت اس راستہ کی بھی ہے کہ ارادہ کرنا اور کام شروع کر دینا اپنے پیروں چلنا ہے اور کسی بزرگ کا دامن پکڑ لینا رہبر کا ہاتھ پکڑ لینا ہے۔

(الغرض) [2] عادۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ کوئی کمال بدوں استاد کے حاصل

---

[1] تصوف وسلوک۔ ص، ۱۰۹   [2] تعلم الدین۔ ص، ۷۲

نہیں ہوتا تو جب اس راہ (طریقت) میں آنے کی توفیق ہو۔ استاد طریق کو ضرور تلاش کرنا چاہئے جس کے فیض تعلیم و برکت صحبت سے مقصود حقیقی تک پہنچے۔ اشعار:

گر ہوائے ایں سفر داری دلا
دامن رہبر بگیر و پس بیا
بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق
عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

''یعنی اے دل اگر اس سفر کی خواہش ہے تو رہبر کا دامن پکڑ کے چلو۔ اس لئے کہ جو بھی عشق کی راہ میں بغیر رفیق کے چلا۔ اس کی عمر گزر گئی اور وہ عشق سے آگاہ نہ ہوا۔''

اور مولانا رومؒ [1] فرماتے ہیں۔ شعر:

یار باید راہ را تنہا مرد
بے قلاؤز اندریں صحرا مشو

''یعنی باطنی راستہ کے لئے کوئی رفیق ساتھ لے اور تنہا اس راستہ کو طے کرنے کا ارادہ نہ کرو کیونکہ تم تنہا اس کو قطع نہیں کر سکتے۔''

❖❖❖

---

[1] الفانی۔ص، ۷

باب سوم

شیخ کامل کی پہچان اور اس سے استفادہ

شیخ کامل

جس طرح کسی جسمانی بیماری کے علاج کے لئے آدمی آنکھ بند کر کے کسی بھی معالج کے پاس نہیں چلا جاتا بلکہ پہلے تحقیق کرتا ہے کہ وہ شخص سند یافتہ ڈاکٹر ہے بھی یا نہیں؟ اور یہ کہ اسے اپنے فن پر گرفت بھی ہے یا نہیں۔ اسی طرح روحانی امراض کے علاج کے لئے بھی ضروری ہے کہ آدمی بیعت کرنے سے پہلے اچھی طرح تحقیق کر لے کہ جس شخص کو اپنی اصلاح کے لئے وہ شیخ بنا رہا ہے وہ اس اہم کام کو کرنے کا اہل بھی ہے یا نہیں۔ حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں :

> **عن ابی [1] هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المرء على دين خليله فلينظر احدكم من يخالل**
>
> ''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے دوست کے طریق پر ہوتا ہے۔ سو ذرا دیکھ بھال لیا کرے کہ کسی کے ساتھ دوستی کرتا ہے۔''
>
> (ابوداؤد و ترمذی شریف)

ظاہر ہے کہ پیر سے اعلیٰ درجہ کی محبت ہوتی ہے اور جب معمولی دوستی

---

[1] التکشف۔ص، ۳۷۷

دین کے اندر مؤثر ہے تو اتنی بڑی دوستی اس تاثیر سے کیسے خالی رہے گی۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ پیر کے عقائد و اعمال و اخلاق کا اثر مرید میں سرایت کرتا ہے اگر زیادہ نہیں تو کم از کم استحسان ہی کے درجہ میں ضرور اثر کرتا ہے یعنی مرید ان اُمور کو مستحسن سمجھتا ہے، پس اگر پیر کی حالت خراب ہوئی تو مرید کا خراب ہونا ظاہر ہے اس لئے تلاش پیر میں بڑی احتیاط چاہئے۔ اس میں زیادہ تر بے پروائی برتی جاتی ہے جس کی اصلاح واجب ہے۔

چونکہ[1] بدوں علامات تلاش ممکن نہیں، اس لئے اس مقام پر شیخ کامل (کی حقیقت اور اس) کے شرائط و علامات مرقوم ہوتے ہیں۔

شیخ کامل کی اہمیت اور اُس کی پہچان

کار[2] مرداں روشنی و گرمی ست
کار دوناں حیلہ و بے شرمی ست

روشنی سے مراد خود ایمان و عرفان، گرمی سے مراد گرمی عشق۔ اس میں اشارہ ہے شیخ کامل کی پہچان کی طرف کہ ان کے یہ صفات ہیں (معرفت اور عشق الٰہی) اور جو کمینے اور جھوٹے ہیں ان کی عادت حیلہ (مکر و فریب) اور بے حیائی ہے۔

مولانا رومیؒ نے شیخ کامل کی علامات اجمالاً بیان فرمائی ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس طرح مرض ظاہری کے علاج کے لئے ایسے طبیب کی ضرورت ہے جو خود بھی صحیح و تندرست ہو، مریض نہ ہو اور دوسروں کا علاج بھی کر سکے۔ کیونکہ اگر مریض ہے تو مسئلہ طبیہ ہے **رای العلیل علیل** ''یعنی بیمار کی رائے بھی بیمار ہے۔'' گو وہ طبیب ہو مگر اس کی رائے قابل اعتبار نہیں۔ اور اگر وہ خود صحیح و تندرست ہے

---

[1] تعلیم الدین۔ ص ۷۲ [2] التکشف۔ ص، ۶۸

مگر علاج کا طریقہ نہیں جانتا تب بھی اس مریض کے مطلب کا نہیں۔ گو خود اچھا ہے اسی طرح امراض باطنی کے علاج کے لئے ایسے مرشد کی ضرورت ہے جو خود بھی متقی اور صالح ہو۔ مبتدع (اہل بدعت) و فاسق نہ ہو اور دوسروں کی تکمیل بھی کرسکتا ہو کیونکہ اگر بدعقیدہ و بدعمل ہے تو اوّلاً اس پر یہ اطمینان نہیں کہ یہ خیر خواہی سے تعلیم کرے گا بلکہ غالب تو یہی ہے کہ عقیدہ میں اپنے جیسا بنانے کی کوشش کرے گا اور عمل میں اس کو اس لئے نصیحت نہ کرسکے گا کہ خود اس کا عامل نہیں، یہی خیال ہوگا کہ اگر نصیحت کروں گا تو یہ شخص اپنے دل میں کیا کہے گا بلکہ غالب یہ ہے کہ خود بھلا بننے کو اپنی بدعملی کو تاویل سے درست کرنا چاہے گا تو اس میں بڑی گمراہی کا اندیشہ ہے۔ ثانیاً اس کی تعلیم میں انوار و برکات و تاثیر و امداد غیبی نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر متقی و صالح تو ہو مگر تربیت باطنی کا طریقہ نہ جانتا ہو تو بھی طالب کی رفع ضرورت نہیں کرسکتا اور جس طرح طبیب ظاہری کا طبیب ہونا ان علامات سے معلوم ہوتا ہے کہ علم طب پڑھا ہو کسی طبیب کامل کے پاس مدت معتدبہ تک مطب کیا ہو۔ سمجھدار لوگ اس کی طرف رجوع ہوں اس کے ہاتھ سے لوگ شفایاب بھی ہوتے ہوں اسی طرح طبیب باطنی یعنی شیخ کے شیخ ہونے کی علامات یہ ہیں کہ :

۱۔ علم شریعت اسے بقدر ضرورت واقف ہو۔ خواہ تحصیل سے یا صحبت علماء سے تا کہ فساد عقائد و اعمال سے محفوظ رہے اور طالبین کو بھی محفوظ رکھ سکے۔

ورنہ بمصداق :

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

۲۔ عقائد، اخلاق و اعمال میں شرع کا پابند ہو۔

۳۔ تارک دنیا۔ راغب آخرت ہو۔ ظاہر و باطنی طاعات پر مداومت رکھتا ہو۔

۴۔ کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبۂ دنیا ہے۔

لے (۱) (۳) (۵) از تعلیم الدین۔ ص ۷۲۔ (۲) (۴) (۶ تا ۱۱) از قصد السبیل۔ ص ۵

۵۔ بزرگوں کی صحبت اٹھائی ہو۔ ان سے فیوض و برکات حاصل کئے ہوں۔
۶۔ تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور ان کی کوئی بری بات سے یا دیکھے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔
۷۔ جو لوگ اس سے بیعت ہیں ان میں اکثر کی حالت باعتبار و اتباعِ شرع و قلت حرصِ دنیا کے اچھی ہو۔
۸۔ اس زمانہ کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔
۹۔ بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں
۱۰۔ اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔
۱۱۔ خود بھی ذاکر و شاغل ہو کیونکہ بدون عمل یا عزم عمل، تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔
۱۲۔ مصلح[۱] ہو۔ نرا صالح ہونا کافی نہیں۔ شیخ ہونے کے لئے دونوں کے جمع کی ضرورت ہے کہ صالح بھی ہو اور مصلح بھی ہو (یعنی فن کا جاننا اور اس میں مہارت ہونا ضروری ہے) تاکہ جو مرض باطنی بیان کرو۔ اس کو بہت توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے جو علاج تجویز کرے اس سے دم بدم نفع ہوتا چلا جائے اور اس کی اتباع کی بدولت روز بروز حالت درست ہوتی جائے۔

جس شخص میں یہ علامات ہوں۔ پھر نہ دیکھے کہ اس سے کوئی کرامت بھی صادر ہوتی ہے یا نہیں۔ یہ شخص صاحب تصرفات ہے یا نہیں یا اس کو کشف ہوتا ہے یا نہیں یا یہ جو دعا کرتا ہے قبول ہوتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ امور لوازم مشیخت یا ولایت سے نہیں۔ اسی طرح یہ نہ دیکھے کہ اس کی توجہ سے لوگ مرغ بسمل کی طرح

---

[۱] کمالات اشرفیہ۔ ص، ۱۲۶

تڑپنے لگتے ہیں یا نہیں کیونکہ یہ بھی لوازم بزرگی سے نہیں۔ اصل میں یہ ایک نفسیاتی تصرف ہے جو مشق سے بڑھ جاتا ہے۔ غیر متقی بلکہ غیر مسلم بھی کرسکتا ہے اور اس سے چنداں نفع بھی نہیں کیونکہ اس کے اثر کو بقاء نہیں ہوتا۔ صرف مرید غبی کے لئے جو ذکر سے اصلاً متاثر نہ ہوتا ہو۔ چند روز تک شیخ کے اس عمل سے اس میں ایک گو نہ تاثیر و انفعال قبول آثارِ ذکر کا پیدا ہو جاتا ہے، یہ نہیں کہ خواہ مخواہ پوٹ لوٹ ہی ہو جائے۔

بیعت کب کی جائے ؟

بیعت کرنا محض کوئی جذباتی عمل نہیں۔ یہ اللہ رب العزت سے اپنا تعلق مضبوط کرنے اور آخرت سنوارنے کا اہم اور مسنون ذریعہ ہے، لہٰذا کسی بھی بزرگ سے بیعت کرنے سے پہلے آدمی کو چاہئے کہ خوب چھان پھٹک کرے اور مختلف اہل اللہ کی مجالس میں جاتا رہے جب کسی بزرگ کے اندر مذکورہ شرائط پالے اور طبیعت بھی ان سے مناسبت محسوس کرنے لگے تو پھر بیعت کرنے میں بلا وجہ تاخیر بھی نہ کرے۔ حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں :

> ''اکثر ایسے درویشوں[1] اور بزرگوں سے ملتا رہے جن پر احتمال کمال کا ہو اور کسی کی عیب جوئی اور انکار میں مبادرت (اور پیش قدمی) نہ کرے مگر جلدی سے بیعت بھی نہ کرے۔ اول یہ دیکھے کہ شریعت پر مستقیم ہے یا نہیں ؟ اگر مستقیم نہیں اس سے علیحدہ ہو۔ گو خوارق وغیرہ اس سے صادر ہوتے ہوں۔''

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے :

---

[1] تعلیم الدین۔ص، ۱۰۸

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا

''جس کے دل کو اپنی یاد سے ہم نے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کا پیرو ہے اور اس کا کام حد سے بڑھا ہوا ہو، اس کا کہا نہ مانو۔''

اور اگر شرع پر مستقیم ہے تو خود اس کا نیک اور ولی ہونا تو ثابت ہوگیا مگر اس شخص کو تو تربیت و تکمیل کی ضرورت ہے اس لئے ابھی بیعت نہ کرے بلکہ یہ بھی دیکھے کہ اس کی صحبت سے قلب میں کچھ اثر یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت، دنیا و معاصی سے نفرت پیدا ہوتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں اولیاء اللہ کی یہی علامت آئی ہے :

اذا رُؤُوْا ذکر اللّٰہ

''انہیں دیکھیں تو اللہ یاد آئے۔''

اکثر عوام کو تھوڑی صحبت میں اس کا محسوس کرنا دشوار ہے۔ اس وقت یوں چاہے کہ اس کے مریدوں میں سے جس کو عاقل راست گو دیکھے۔ اس سے شیخ کی تاثیر کا حال دریافت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

''اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔''

اور حدیث شریف میں ہے :

اِنَّمَا شِفَاءُ الْعَيِّ السُّؤَالُ

''جہل کی شفا اور دوا اوروں سے سوال کرنا اور دریافت کرلینا ہے۔''

اگر کوئی معتبر آدمی شہادت دے تو اس کا اعتبار کرے اور جو بہت آدمی

ویسی ہی شہادت دیں تو زیادہ اطمینان کا باعث ہے مگر وہ گواہی دینے والے قرائن سے سچے معلوم ہوتے ہوں۔ مریداں ہمی پرانندہ (یعنی مرید پیروں کو بڑا چڑھا دیتے ہیں) کے مصداق نہ ہوں (اور اگر خود وہاں نہ جاسکے یا اتنی فرصت اور ہمت نہ ہو تو) دوسرا طریق مکاتبت طویلہ ہے۔ یعنی (بذریعہ تحریر) اس سے کچھ طریق پوچھ کر اس پر عمل کرے۔ پھر اپنے احوال سے اس کو اطلاع دے۔ پھر جو وہ تجویز کرے اس کا اتباع کرے۔ اسی طرح مدت دراز تک کرتا رہے۔ بعد اس کے اگر دل چاہے بیعت کی درخواست کرے پھر دوسرا جو کچھ جواب دے، اسی پر راضی رہے۔

اوپر شیخ کی شرائط کے بارے میں جو ساری تفصیلات ذکر کی گئی ہیں وہ سب حضرت تھانویؒ کی کتابوں سے جمع کی گئی ہیں، ورنہ متقدمین کے ہاں اس سلسلہ میں بہت سختی تھی۔ مرشدی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تحریر کردہ شرائط کو شریعت وطریقت کا تلازم ص۱۵۰ پر تفصیل سے لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :

> ''حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے جو شرائط لکھی ہیں وہ زیادہ سخت ہیں اور حضرت حکیم الامتؒ نے جو شرائط لکھی ہیں وہ نرم ہیں۔ شاہ صاحبؒ سے پہلے اکابر نے ان سے بھی زیادہ مجاہدات اور ریاضات کرائی ہیں۔ اس کے بعد خرقہ عنایت فرمایا جیسا کہ بہت سے وقائع اکابر کے اس سلسلہ کے تواریخ میں معروف ہیں۔''

شاہ ابوسعید صاحب گنگوہیؒ کا قصہ تو بہت مشہور ہے۔

---

۱ کمالات اشرفیہ۔ص، ۱۵۷

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پوتے کا واقعہ

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ گنگوہ کے بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کے شجرے کے اندر ان کا اعلیٰ درجے کا واسطہ ہے۔ ان کے ایک پوتے تھے۔ جب تک شیخ حیات تھے، پوتے کو فکر نہ ہوئی ساری دنیا آکر دادا سے فیض حاصل کرتی رہی لیکن وہ صاحب زادگی کی موج میں رہے اور دادا کی طرف اس نقطہ نظر سے رجوع نہ کیا کہ اپنی اصلاح کرائیں، جب شیخ کا انتقال ہوگیا تب ان کو حسرت ہوئی کہ یااللہ! میں کتنا محروم رہ گیا۔ کہاں کہاں سے آکر ساری دنیا فیض اٹھا گئی اور میں گھر میں ہوتے ہوئے کچھ بھی حاصل نہ کرسکا اور چراغ تلے اندھیرا۔ اب حسرت ہوئی تو سوچا کہ کیا کروں؟ تلافی کیسے ہو؟ خیال آیا کہ میرے دادا سے جن لوگوں نے اصلاح نفس کی یہ دولت حاصل کی ہے ان میں سے کسی کی طرف رجوع کروں۔ معلوم کیا کہ میرے دادا کے خلفاء میں سے کون اونچے مقام کا بزرگ ہے۔ معلوم ہوا کہ بلخ میں ایک اونچے مقام کے بزرگ شیخ نظام الدین بلخی ؒ ہیں۔ اب کہاں گنگوہ، کہاں بلخ۔ کہاں تو یہ کہ گھر میں دولت موجود تھی اور ہر وقت ان سے رجوع کرسکتے تھے، وہ نہ کیا۔ آخرکار اس کی نوبت آئی کہ بلخ تک اتنا لمبا چوڑا مشقت کا سفر کریں، اب چونکہ طلب صادق تھی، اس لئے سفر پر روانہ ہوگئے۔

ادھر جب شیخ کے خلیفہ کو (جو بلخ میں مقیم تھے) معلوم ہوا کہ میرے شیخ کے پوتے آرہے ہیں تو اپنے شہر سے باہر نکل کر انہوں نے بڑا شاہانہ استقبال کیا۔ اکرام کے ساتھ گھر لے کر آئے، شاندار کھانے پکوائے، اعلیٰ درجے کی دعوت کی، بہت اعلیٰ درجے کی رہائش کا انتظام کیا، قالین بچھوائے اور خدا جانے کیا کچھ کیا۔

جب ایک دو دن گزر گئے تو انہوں نے کہا کہ حضرت آپ نے میرے

ساتھ بڑی شفقت کا معاملہ کیا، بڑا اکرام فرمایا لیکن درحقیقت میں کسی اور مقصد سے آیا تھا۔ پوچھا کیا مقصد؟ کہا کہ مقصد یہ تھا کہ آپ میرے گھر سے جو دولت لے کر آئے تھے اس دولت کا کچھ حصہ مجھے بھی عنایت فرما دیں، اس لئے حاضر ہوا ہوں۔ شیخ نے کہا ''اچھا! وہ دولت لینے آئے ہو؟'' کہا کہ ''جی ہاں'' کہا کہ ''اگر وہ دولت لینے آئے ہو تو یہ غالیچے، یہ قالین، یہ اعزاز و اکرام، یہ کھانے پینے کا انتظام، سب ختم کر دیا جائے، رہائش کا انتظام جو اعلیٰ درجے کا کیا گیا تھا وہ بھی ختم کر دیا جائے۔'' انہوں نے پوچھا ''اب کیا کروں؟'' فرمایا ''ہماری مسجد کے پاس ایک حمام ہے اس میں وضو کرنے والوں کے لئے لکڑیاں جھونک کر وضو کرنے والوں کے لئے پانی گرم کرو۔ بس تمہارا یہی کام ہے۔'' نہ بیعت، نہ وظیفہ، نہ ذکر، نہ معمولات، نہ کچھ اور۔ انہوں نے پوچھا ''رہائش کہاں؟'' فرمایا ''رات کو جب سونا ہو تو وہیں حمام کے پاس سو جایا کرو۔'' کہاں تو یہ اعزاز و اکرام استقبال ہو رہا ہے، قالین بچھ رہے ہیں، کھانے پک رہے ہیں، دعوتیں ہو رہی ہیں اور کہاں اب حمام جھونکنے پر لگا دیئے گئے، اب حمام میں بیٹھے ہیں اور آگ میں لکڑیاں جھونک رہے ہیں۔

لکڑیاں جھونکتے جھونکتے شیخ نے ایک دن جمعدارنی کو ہدایت کی کہ ''ایسا کرنا کہ حمام کے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوگا، یہ کچرے کا ٹوکرا لے کر اس کے قریب سے گزر جانا اور اس طرح گزرنا کہ اس ٹوکرے کی بو ان کی ناک میں پہنچ جائے۔'' اب وہ ٹوکرا لے کر حمام کے پاس سے جو گزری تو چونکہ یہ تو صاحبزادے تھے، نوابزادگی کی زندگی گزاری تھی۔ ایک کڑی نگاہ اس پر ڈالی اور کہا ''تیری یہ مجال کہ تو یہ ٹوکرا لے کر میرے پاس سے گزرے، نہ ہوا گنگوہ، ورنہ میں تجھے بتاتا۔'' شیخ نے جمعدارنی کو بلا کر پوچھا کہ ''جب تو ٹوکرا لے کر گزری تو کیا ہوا؟'' اس نے کہا کہ ''جی وہ تو بہت غصے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ گنگوہ ہوتا تو تجھے بہت سخت سزا

دیتا۔'' کہا کہ ''اوہو! ابھی بہت کسر ہے۔ ابھی چاول گلا نہیں۔''

پھر کچھ دن گزرے تو شیخ نے جمعدارنی سے کہا کہ ''اب کے نہ صرف وہ ٹوکرا لے کر ان کے قریب سے گزرنا بلکہ اس طرح گزرنا کہ ٹوکرا ان کے جسم سے لگ جائے اور پھر مجھے بتانا کہ کیا ہوا۔'' اس نے یہی کیا۔ شیخ نے پوچھا کہ ''کیا ہوا؟'' اس نے کہا کہ ''جی ہوا یہ کہ جب میں ٹوکرا لے کر گزری اور ٹوکرا بالکل ان کے جسم سے رگڑ کھاتا ہوا گزرا تو انہوں نے نہایت ترش نگاہ سے میری طرف دیکھا، لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔'' شیخ نے کہا ''الحمدللہ! فائدہ ہو رہا ہے۔''

پھر کچھ دن بعد شیخ نے کہا کہ ''اب کے اس طرح گزرنا کہ ٹوکرا گر جائے اور اس طرح گرے کہ تھوڑا سا کچرا ان کے اوپر بھی پڑ جائے اور پھر مجھے بتا دینا کہ انہوں نے کیا کہا'' اس نے ایسا ہی کیا۔ شیخ نے پوچھا کہ ''اب کیسا ہوا؟'' اس نے کہ ''جی! اب تو عجیب معاملہ ہوا۔ میں نے جو ٹوکرا گرایا تو تھوڑا سا کوڑا ان کے اوپر بھی پڑا اور میں بھی گر گئی۔ میں جو گری تو ان کو کپڑوں کا تو ہوش نہیں تھا، مجھ سے پوچھنے لگے کہ چوٹ تو نہیں لگی؟'' فرمایا کہ ''الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دل میں جو طاغوت تھا، وہ ٹوٹ گیا۔''

اب ان کو بلا کر ڈیوٹی بدل دی۔ کہا کہ ''اب تمہارا وہ حمام کا کام ختم۔ اب تم ہمارے ساتھ رہا کرو۔ وہ اس طرح کہ ہم کبھی کبھی شکار کے لئے جاتے ہیں تو تم ہمارے شکاری کتوں کی زنجیر پکڑ کر ہمارے ساتھ چلا کرو۔'' اب ذرا اونچا درجہ عطا ہوا کہ شیخ کے ساتھ صحبت اور ہم رکابی کا شرف بھی عطا ہو رہا ہے لیکن کتے کی زنجیر تھام کر ساتھ چلنے کا حکم ہے۔ شکار کے دوران کتوں نے کوئی شکار دیکھ لیا اور اس کی طرف جو دوڑے تو چونکہ شیخ کا حکم تھا کہ زنجیر نہ چھوڑنا، اس لئے انہوں نے زنجیر نہ چھوڑی۔ کتے تیز بھاگے جا رہے ہیں اور یہ زنجیر چھوڑتے نہیں، اسی حالت میں زمین پر گر گئے اور کتوں کے پیچھے زمین پر گھسٹتے ہوئے چلے جا رہے ہیں، جسم پر

کئی زخم لگ گئے اور لہولہان ہو گئے۔

رات کو شیخ نے اپنے شیخ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کو خواب میں دیکھا انہوں نے فرمایا کہ ”میاں نظام الدین! ہم نے تو تم سے ایسی محنتیں نہیں لی تھیں۔“ اس وقت ان کو تنبیہ ہوئی بلایا اور بلا کر گلے سے لگایا اور فرمایا ”آپ جو دولت لینے آئے تھے اور جو دولت آپ کے گھر سے اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی تھی۔ الحمدللہ میں نے وہ ساری دولت آپ کے حوالے کر دی۔ دادا کی وراثت آپ کی طرف منتقل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب آپ اطمینان سے وطن واپس تشریف لے جائیں۔“

سیدی وسندی حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ اس قصے کو نقل کر کے لکھتے ہیں :

> ”اس قسم کے بہت سے مجاہدات اس دور کے کتب تاریخ میں معروف ہیں، مگر چونکہ زمانہ قویٰ جسمانیہ کے اعتبار سے بھی اور قوت ایمانیہ کے اعتبار سے بھی انحطاط پر ہے اس لئے حضرت تھانویؒ کے بعد کے لوگوں نے اور بھی نرمی شروع کر دی۔“

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد صحابہ کرامؓ سے ہے کہ :

> ”تم ایسے زمانہ میں ہو کہ اگر مامور بہ کا دسواں حصہ بھی کوئی چھوڑے تو ہلاک ہو جائے لیکن ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ مامور بہ کا دسواں حصہ بھی کوئی کرے تو نجات پالے۔“
>
> (مشکوٰۃ۔ص ۳۱)

صاحب مرقاۃ نے مامور بہ سے امر بالمعروف اور نہی المنکر مراد لیا ہے او رمیرا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ مامورات کو شامل ہے اور نقصان سے مراد خشوع اور

احسان کا نقصان ہے۔ ابوداؤد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اس کے لئے اس کا دسواں حصہ ثواب کا لکھا جاتا ہے، یہاں تک کہ بعضوں کے لئے آدھا لکھا جاتا ہے۔ یہ نقصان خشوع اور خضوع کا ہے۔ چونکہ دن بدن ضعف کا زمانہ بڑھتا رہتا ہے، ایمان کے اعتبار سے بھی اور قویٰ کے اعتبار سے بھی۔ اس لئے مشائخ مجاہدات اور ریاضات میں بھی کمی کرتے جارہے ہیں اور شرائط شیخ میں بھی ڈھیلا پن کرتے جارہے ہیں۔" (شریعت وطریقت کا تلازم۔ص، ۱۵۰۔۱۵۳)

مناسبت شیخ ومرید

مرید ہونے سے پہلے ضروری ہے کہ آدمی یہ دیکھ لے کہ جن بزرگ سے وہ بیعت کررہا ہے، ان سے اسے کچھ طبعی مناسبت ہے بھی یا نہیں؟ کیونکہ اس کے بغیر پورے طور پر فائدہ اٹھانا ممکن نہیں ہوتا۔ حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں :

عن [1] ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الارواح جنود مجندة ما تعارف منها ائتلف وماتنا کر منها اختلف (اخرجه مسلم ابوداؤد)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارواح لشکر کے ہیں۔ جو (عالم ارواح میں) مجتمع تھیں جن میں (وہاں) باہم جان پہچان ہوئی ان میں (یہاں بھی) باہم الفت ہے اور جن میں جان پہچان نہیں ہوئی۔ ان میں اختلاف مزاج ہے۔"

یہ امر تجربہ سے ثابت ہوچکا ہے کہ فیوض باطنی کے لئے پیر ومرید کی

---

[1] التکشف۔ص، ۳۷۶

باہمی مناسبت فطری شرط ہے۔ اس حدیث کے عموم میں یہ مناسبت بھی داخل ہے کیونکہ نفع عادۃً الفت پر موقوف ہے اور نص حدیث الفت عالم ارواح کے تعارف پر موقوف ہے جو مناسبت فطری کی حقیقت ہے اور یہی مناسبت ہے جس کے نہ ہونے پر مشائخ طالب کو اپنے پاس سے (بعض دفعہ) دوسرے شیخ کے پاس جس سے مناسبت مظنون یا مکشوف ہو بھیج دیتے ہیں (کیونکہ) اس طریق میں مصلح کے ساتھ مناسبت ہونا بڑی (ضروری) چیز ہے۔ بدوں مناسبت کے طالب کو نفع نہیں ہوسکتا اور مناسبت شیخ (جو افاضہ و استفادہ کا مدار ہے) کے معنیٰ یہ ہیں کہ شیخ سے مرید کو اس قدر موانست ہو جائے کہ شیخ کے کسی قول و فعل سے مرید کے دل میں طبعی نکیر نہ پیدا ہو، گو عقلی ہو۔ یعنی شیخ کی سب باتیں مرید کو پسند ہوں اور مرید کی سب باتیں شیخ کو پسند ہوں اور یہی مناسبت بیعت کی شرط ہے (لہٰذا) پہلے مناسبت پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے اس کی سخت ضرورت ہے۔ جب تک یہ نہ ہو مجاہدات، ریاضات، مراقبات و مکاشفات سب بیکار ہیں کوئی نفع نہ ہوگا۔ اگر طبعی مناسبت نہ ہو تو عقلی پیدا کرلی جائے۔ اسی پر نفع موقوف ہے۔ اس لئے جب تک پوری مناسبت نہ ہو، بیعت نہ کرنی چاہئے۔ جب پوری طرح راہ پر پڑ جائے، خوب محبت (اور مناسبت) ہو جائے اس وقت پیر سے بیعت زیادہ نافع ہے۔[1]

صحبت شیخ

ہر انسان فطرتاً اپنے گرد و پیش کے ماحول اور دوسرے انسانوں کی صحبت سے متاثر ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اچھی صحبت اختیار کرنے کا اہل ایمان کو بطور خاص حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے :

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ ○

(التوبہ:۱۱۹)

---

[1] کمالات اشرفیہ۔ص، ۲۷۸،۵۵، ۲۱۶

''اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔''

اس آیت میں مسلمانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور اس کی تدبیر یہ بتائی کہ صالحین اور صادقین کی صحبت اختیار کرو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صالح اور برے ہم نشین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مشک والا ہو، اگر اس سے مشک نہ بھی ملے، تب بھی اس کی خوشبو پہنچے گی اور برے ہم نشین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بھٹی دھونکنے والا ہو کہ اگر کوئی چنگاری گر گئی، تو بدن جلا دے گی یا کپڑے جلا دے گی اور اگر چنگاری نہ بھی اڑے تو اس کا دھواں اور گرمی تو پہنچے ہی گی۔ (بخاری۔مسلم)

حضرت تھانویؒ شیخ کی صحبت کی نوعیت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

عن [1]حنظلة (فی حدیث طویل) فاذا خرجنا من عندك عافسنا الازواج والاولاد والضیعات نسینا كثیرا فقال والذی نفسی بیدهٖ ان لو تدومون علی ماتكونون عندی و فی الذكر لصافحتكم الملٰئكة علی فرشكم وفی طرقكم ولكن یا حنظلة ساعة وساعة ثلٰث مرات

(اخرجہ مسلم والترمذی)

''حضرت حنظلہؓ سے روایت ہے (لمبی حدیث میں) پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آتے ہیں تو بیوی بچوں اور معاملات جائیداد میں آلودہ ہو جاتے ہیں اور بہت سی باتوں کا خیال بھی نہیں رہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات کی جن کے قبضہ میں میری جان ہے جس

---

[1] التکشف۔ص، ۳۲۱

حالت میں میرے پاس ہوتے ہو۔ اگر تم لوگوں کو اس حالت پر یا یہ فرمایا کہ ذکر میں دوام ہو جائے تو تم سے بستروں اور سڑکوں پر فرشتے مصافحہ کرنے لگیں لیکن اے حنظلہ ایک ساعت کیسی ایک ساعت کیسی یہ مضمون آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا۔ (اس کو مسلم و ترمذی نے روایت کیا)

جس طرح مجاہدات و ریاضات سے کسی کیفیت کا ورود ہوتا ہے اسی طرح شیخ کی صحبت اور خطاب سے بھی ہو جاتا ہے گو اس کو مثل اثر ریاضت کے رسوخ اور بقاء نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت حنظلہ کا یہ فرمانا کہ خدمت مبارک سے علیحدہ ہو کر تعلقات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بہت سی باتیں یاد نہیں رہتیں اس سے ناشی ہے جس کا سبب بُعد خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

صحبت شیخ کی ضرورت

بیعت[1] کی اصلی بڑی ضرورت یہی رفاقت یا پیر کی صحبت تعلق ہے تاکہ راستہ کے خطرات یا اس کی ٹھوکروں سے حفاظت ہو۔ علم[2] چاہے ہو یا نہ ہو بلکہ علم بھی بلا صحبت کے بیکار ہے۔ صاحب صحبت بلا علم کی اصلاح ''صاحب علم بلا صحبت'' سے زیادہ ہوتی ہے۔ صحابہ کرامؓ سب کے سب عالم نہ تھے (مگر ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی فضیلت بھی اعلیٰ سے اعلیٰ محدثین و فقہا اور بڑے سے بڑے اولیاء و اقطاب پر مسلم ہے۔ اس فضیلت کا مدار محض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پر ہے) صرف صحبت سے پایا جو کچھ پایا اور ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت ہی کا التزام رکھا۔ اتنی توجہ علم کی طرف نہیں کی جتنی صحبت کی طرف کی۔

بھلا[3] نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے۔ موٹی بات ہے کہ

---

[1] تصوف وسلوک۔ ص، ۱۱۰   [2] کمالات اشرفیہ۔ ص، ۱۷۷

[3] تصوف السلوک۔ ص، ۱۱۱

بڑھئی کے پاس بیٹھے بغیر کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا۔ حتیٰ کہ بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لے کر اٹھائے گا تو وہ بھی قاعدہ سے نہ اٹھایا جاسکے گا۔ بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی پکڑنے کا انداز بھی نہیں آتا۔ بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے اور بلا قلم کی گرفت اور کشش دیکھے ہرگز کوئی خوشنویس نہیں ہوسکتا۔ غرض بدوں کامل کی صحبت کے کوئی کامل نہیں بن سکتا:

صحبت صالح ترا صالح کند [ا] صحبت طالح ترا طالح کند
ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا گو نشیند در حضور اولیاء
یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
صحبت نیکاں اگر یک ساعت است بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

(مطلب یہ ہے کہ) نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنا دے گی۔ اسی طرح بدبخت کی صحبت تم کو بدبخت بنا دے گی۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی ہم نشینی کا طالب ہو تو اس کو اولیائے کرام کی صحبت میں بیٹھنا چاہئے۔ اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت سو سالہ بے ریا طاعت (عبادت) سے بہتر ہے۔ نیکوں کی صحبت اگر ایک گھڑی بھی نصیب ہو جائے تو وہ سو سالہ زہد و طاعت سے بہتر ہے۔

(ان اشعار اور ان کے مطلب سے جو بات سمجھ میں آتی ہے) وہ [۲] یہ ہے کہ کامل کی صحبت میں بعض اوقات کوئی گر ہاتھ آجاتا ہے یا کوئی حالت ایسی قلب میں پیدا ہو جاتی ہے جو ساری عمر کے لئے مفتاح سعادت بن جاتی ہے۔ ہر وقت یا ہر ساعت مراد نہیں بلکہ وہی وقت اور وہی ساعت مراد ہے جس میں یہ حالت میسر ہوگی۔ ہر صحبت میں اس کا احتمال ہے اس لئے ہر صحبت کا اہتمام چاہئے، اس سے ہر صحبت کا مفید اور نافع ہونا ظاہر ہے اور اس حالت کو صد سالہ طاعت کے قائم مقام بتلانے کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے اگر کسی شخص کے پاس سو اشرفیاں ہوں

[ا] اختیار الخلیل۔ص،۱۷ [۲] کمالات اشرفیہ۔ص،۲۲۹

تو بظاہر اس کے پاس امتعہ (یعنی اسباب میں) سے کوئی ایک چیز بھی نہیں لیکن اگر ذرا تعمق کی نظر سے دیکھا جائے تو ہر چیز اس کے قبضہ میں ہے (کیونکہ اشرفیوں سے اسباب خریدا جاسکتا ہے) اسی طرح اگر وہ کیفیت اس کے اندر پیدا ہوگئی تو بظاہر تو خاص طاعت میں سے کوئی بھی چیز اس کے پاس نہیں مگر حکماً ہر چیز ہے، پس مراد (اس سے) اعمال پر قدرت ہونا ہے اس سے اس کے سب کام بن جائیں گے اور اصل چیز وہی کام ہے جن کی یہ مفتاح (چابی) صحبت میں نصیب ہوگئی۔ اگر وہ اعمال نہ کیے تو نری مفتاح کس کام کی؟ اسی لئے یہ کہتا ہوں کہ بدوں اعمال نہ کچھ اعتبار اقوال کا ہے نہ احوال کا، نہ کیفیات کا اس لئے ان چیزوں میں سے کسی چیز میں بھی حظ نہ ہونا چاہئے۔ اگر اعتبار کے قابل کوئی چیز ہے تو وہ اعمال ہیں اور اعمال بلا توفیق حق کے مشکل اور حق تعالیٰ کی توفیق عادۃً صحبت کامل پر موقوف ہے۔

صحبت شیخ کے اثرات

صحبت شیخ[1] میں طالب وزدیدہ طور پر اپنے اندر اخلاق کو لے لیتا ہے (صحبت نیکاں کے متعلق یہ قطعہ بہت عجیب اور مناسب ہے):

گلے خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گل ناچیز بودم — و لیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہم نشیں درمن اثر کرد — وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ: ''ایک دن حمام میں ایک محبوب کے ہاتھ سے
ایک خوشبودار مٹی مجھ کو ملی۔ میں نے اس سے کہا تو مشک ہے
یا عنبر ہے کہ تیری دلآویز خوشبو سے میں مست ہوگیا ہوں۔

---

[1] کمالات اشرفیہ۔ ص، ۱۹۱

اس نے جواب دیا کہ میں ناچیز اور معمولی مٹی تھی مگر ایک مدت پھول کے ساتھ میری صحبت رہی۔ میرے ہم صحبت کی خوبی نے مجھ میں اثر کیا۔ ورنہ میں تو وہی خاک ہوں جیسی کہ پہلے تھی۔"

اسی طرح صحبت شیخ میں خاصیت[1] ہے کہ :

۱۔ شیخ کے اندر جو چیز ہے وہ شدہ شدہ آپ کے اندر بھی آئے گی۔

۲۔ اگر[2] اصلاح کامل نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے عیوب پر ہی نظر ہونے لگتی ہے۔ یہ بھی کافی اور مفتاح طریق ہے۔

۳۔ اخلاق[3] و عادات میں اس کا اتباع کرے گا۔ اذکار و عبادات میں نشاط اور ہمت کو قوت ہوگی۔

۴۔ جو حال غریب (یعنی عجیب) پیش آئے گا اس باب میں اس سے تشفی ہو جائے گی۔

۵۔ جو افادات[4] زبانی سننے میں آتے ہیں وہ تحقیقات و مسائل کے خلاصہ ہوتے ہیں جس سے اپنی حالت بھی وضوح کے ساتھ منکشف ہوتی ہے۔

۶۔ ان اہل صحبت میں جو بابرکت ہوتے ہیں وہاں ایک نفع صحبت کی برکت اور ان کے طرز عمل سے سبق لینا ہوتا ہے۔

۷۔ عمل کا شوق بڑھتا ہے۔

۸۔ اپنی استعداد معلوم ہو جاتی ہے۔

۹۔ اہل محبت کی صحبت سے محبت پیدا ہوتی ہے۔

۱۰۔ مشائخ اعمال صالحہ کی وجہ سے بابرکت ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی تعلیم میں

---

[1] تصوف و سلوک۔ ص، ۱۱۷ [2] کمالات اشرفیہ۔ ص، ۱۰۳

[3] قصد السبیل۔ ص، ۱۰ [4] انفاس عیسیٰ۔ ص، ۲۰، ۲۹، ۳۰

بھی برکت ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد شفاء ہو جاتی ہے۔ خود کتابیں دیکھ کر علاج کرنا کافی نہیں۔

۱۱۔ اہل اللہ کی صحبت کے مؤثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بار بار اچھی باتیں جب کان میں پڑے گی تو کہاں تک اثر نہ ہوگا۔ ایک وقت چوکو گے، دو وقت چوکو گے، تیسری دفعہ تو اصلاح ہو ہی جائے گی۔ اور ایک سبب باطنی بھی ہے، وہ یہ ہے کہ جب تم ان کے پاس رہو گے اور تعلق بڑھاؤ گے تو اس سے دو طرح اصلاح ہوگی ایک تو یہ کہ وہ دعا کریں گے اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے تو حق تعالیٰ تم پر فضل فرمائیں گے اور اکثر یہ ہے کہ ان کی دعا باذن حق ہوتی ہے تو ان کے منہ سے دعا نکلنا اس بات کی علامت سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے فضل ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ دوسری وجہ بڑی خفی ہے وہ یہ کہ تمہارے اعمال میں ان کی محبت سے برکت ہوگی اور جلد جلد ترقی ہوگی اور جلد اصلاح ہو جائے گی۔

۱۲۔ ان حضرات کے دل خدا کے نور سے روشن ہیں۔ ان کے پاس رہنے سے نور آتا ہے اور جب نور آتا ہے تو ظلمت بھاگ جاتی ہے۔ پس اس نور سے ہر چیز کی حقیقت کھل جاتی ہے اور شبہ جاتا رہتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو بدوں پاس رہے۔ صرف ان حضرات کا دیکھ لینا ہی کافی ہو جاتا ہے اور اگر اس درجہ کی سلامتی نہ ہو تو البتہ پھر چند دنوں کی صحبت کی بھی ضرورت ہے۔

شیخ کی صحبت سے پورے طور پر فائدہ اٹھانے کا طریقہ

جب شیخ ؒ کی خدمت میں اصلاح باطن کے لئے جائے تو جیسا کہ جسمانی علاج میں ہوا کرتا ہے۔ محض دوا سے فائدہ نہیں ہوتا، پرہیز بھی ضروری ہوتا

ہے۔ اسی طرح شیخ سے علاج کے لئے بھی کچھ چیزوں سے پرہیز ضروری ہے۔ حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں :

''صحبت پرہیز کے ساتھ اختیار کی جائے۔ پرہیز یہ ہے کہ اہل دنیا کی صحبت سے بچیں اور اہل دنیا وہ ہیں جو غیراللہ کا تذکرہ زیادہ کریں (جن کی صحبت کی جائے) ان کی طرف سے دل میں بداعتقادی اور انکار رکھ کر وہاں نہ رہیں اگر پورا اعتقاد نہ ہو تو کم از کم دل میں اتنی گنجائش تو ضرور ہو کہ شاید ان کی بات صحیح ہو۔

جب شیخ کامل میسر ہو جائے اور اس سے بیعت کا ارادہ کریں تو اب بعد بیعت کے اگر وقت اور مہلت میسر ہو تو چندے اس کی خدمت میں رہیں اور اگر اس کی نوبت نہ آئے تو غائبانہ ہی اس کی تعلیم پر کاربند رہیں اور اگر ابتدا میں ذرا زیادہ اور اس کے بعد کبھی کبھی شیخ کی صحبت نصیب ہو جائے تو نور علی نور ہے۔''

بیعت کے فوائد

عہد رسالت سے اصلاح اعمال کے لئے اہل اللہ اور صالحین سے بیعت کا جو سلسلہ چلا آرہا ہے اور صدیوں سے امت نے اس طریقہ کو سینہ سے لگا کر رکھا ہے، اپنے اندر ہزار ہا برکات کے علاوہ سینکڑوں فوائد گزشتہ صفحات میں گزر چکے۔ ذیل میں بعض اہم فوائد کی مزید نشاندہی کی جاتی ہے۔

بیعت روحانی کفالت کا ذریعہ

حضرت سید احمد شہیدؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص خدا کے برگزیدہ بندے کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو اس برگزیدہ بندے کی جو کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبولیت اور عزت ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس شخص کی کفالت کرتی ہے جو اس کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی وجاہت کی وجہ سے بیعت کرنے والے کی کفالت کرتی ہے۔ اور دو طریقوں میں ایک طریقہ سے اس کی حفاظت کرتی ہے اگر وہ شخص وہ مرشد اللہ تعالیٰ کے یہاں پر بہت عزت رکھتا ہے تو کبھی اس کو مطلع کر دیا جاتا ہے، اگر اس کا مرید کسی گمراہی کے اندر پھنس رہا ہے تو اللہ تعالیٰ پیر کو مطلع کر دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اس کو فلانی خرابی سے نکالو۔ وہ مرشد تدبیریں کر کے اس کو نکالتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خداوند کریم خود ہی اس مرید کو خرابی سے نکالتا ہے اور کسی فرشتے کو حکم دیتا ہے یا روحانی (لطیفہ غیبی) کو

مقرر کر دیتا ہے اور وہ چیز اس کی حفاظت کا باعث بنتی ہے مگر مرشد کی صورت میں آکر جیسے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ ہوا۔ حضرت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کوٹھریوں میں بند کر کے وصال چاہا۔ حضرت یوسف علیہ السلام پرہیز کرتے رہے مگر اس نے پیچھا کیا اور اس قدر پیچھے پڑی کہ قریب تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مبتلا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے حفاظت کے واسطے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مقرر کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام سامنے سے ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت میں آئے اور سامنے کھڑے ہو کر انگلی منہ میں دباتے ہیں اور اشارہ کرتے ہیں کہ خبردار خبردار اس میں مبتلا نہ ہونا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو خبر بھی نہیں مگر یہاں یہ معاملہ ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو روک دیا گیا، بچا لیا گیا، تو حضرت سید احمد شہیدؒ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا کسی گمراہی کے اندر پھنسنے والا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی لطیفہ سے، کسی روحانیت سے، کسی فرشتے کے ذریعہ سے حفاظت کی جاتی ہے۔ (بیعت کی شرعی حیثیت۔ص، ۲۵)

اس کے بے شمار واقعات بزرگوں کے تذکروں میں لکھے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ تذکرۃ الرشید سے بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی تحریر فرماتے ہیں :

حضرت گنگوہیؒ کا واقعہ

ایک شخص ذاکر شاغل حضرت (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) کی خدمت میں ہی رہتے تھے۔ ان کا کھانا قصبہ (گنگوہ) میں ایک شخص کے یہاں مقرر تھا وہیں مسجد میں نماز پڑھانے جایا کرتے تھے۔ شیطان تو ہر مسلمان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اتفاق سے ان کو کسی عورت سے تعلق ہوگیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ ملاقات کا وقت

مقرر ہو گیا۔ شیطانی حرکت کسی پر ظاہر کرنے کے قابل نہ تھی، اس لئے کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ چلتے چلاتے کام میں شیطان نے کس رخنہ اندازی کا انداز اختیار کیا ہے۔ وعدہ کی شب میں عشاء کے بعد حضرت کے پاؤں دبا کر جب سمجھے کہ حضرت سو گئے، وہاں سے کھسکے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے خانقاہ سے باہر ہوئے۔ جس وقت باہر قدم نکالا تو مطلع بالکل صاف تھا۔ دو چار قدم چلے تھے کہ آسمان پر سیاہ بدلی نظر آئی، جوں جوں یہ آگے بڑھتے رہے ویسے ویسے بادل بڑھتا اور اور چڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ جس وقت اس مکان کی دیوار کے نیچے پہنچے جہاں عورت حسب وعدہ کھڑی ہوئی تھی تو اس سے قبل کہ بات کریں دفعتہً بادل اس زور سے گرجا کہ دونوں گھبرا گئے اُدھر عورت بھاگی کہ گھر والے جاگیں اور مجھے نہ پائیں گے تو کیا گل کھلے گا اور ادھر یہ سراسیمہ دوڑے کہ حضرت کی چارپائی باہر بچھی ہوئی ہے۔ میں قریب ہی سوتا ہوں، حضرت آواز دیں گے اور میں نہ ہوں گا تو کیا نتیجہ ہوگا۔ غرض بے نیل مرام دوڑتے ہانپتے خانقاہ میں پہنچے۔ جس وقت اندر قدم رکھا، مطلع بالکل صاف ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ حضرت کی طرف چلے، جھانک کر دیکھا تو حضرت امام ربانی چارپائی کی دونوں پٹیوں پر ہتھیلیاں ٹیکے گردن جھکائے اس طرح بیٹھے ہیں جیسے توجہ دینے کی حالت میں شیخ مستغرق ہو کر بیٹھتا ہے۔ یہ چپکے سے دبے پاؤں چل کر اپنی چارپائی تک پہنچے جو حضرت کی چارپائی سے کچھ ہی فاصلے پر گولر کے نیچے بچھی ہوئی تھی۔ جس وقت وہاں پہنچ لئے حضرت نے گردن اوپر اٹھائی اور لیٹ گئے۔

صبح ہوئی تو اشارۃً حضرت نے نصیحت فرمائی اور امتحان کے موقع پر نفس کے قابو میں رکھنے کے فضائل بیان کئے۔ یہ چند کلمات سن کر ندامت کا قلب پر اتنا غلبہ ہوا کہ جس حد تک معصیت ہوئی تھی۔ اس کو یاد کر کر کے رویا کرتے اور گڑگڑا کر توبہ کیا کرتے تھے۔ چند ماہ میں حق تعالیٰ نے نسبت معتبرہ سے نوازا، اور مجاز

طریقت ہوکر اپنے وطن واپس ہوئے۔ (تذکرۃ الرشید۔ ج ۲،ص ۱۴۹)

تنبیہ

اس قسم کے واقعات احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے بھی منقول ہیں اور بزرگوں اور مشائخ کے حالات میں بھی بہت کثرت سے ذکر کئے گئے ہیں۔ مگر اس طرح کے تصرفات اور کرامات سارے مشائخ کے یہاں ہر وقت ہر شخص کے لئے ہونا ضروری نہیں۔ بعض مشائخ سے تو کبھی کوئی کرامت ظاہر ہوتی ہی نہیں۔ البتہ بیعت اور صحبت شیخ سے نفع ضرور ہوتا ہے، کسی کو زیادہ کسی کو کم۔ پیر کے اندر کرامتوں کا ہونا ضروری نہیں بلکہ جو ضروری چیز ہے وہ اتباعِ شریعت اور اتباعِ سنت ہے۔ اگر پیر متبع شریعت اور متبع سنت ہے اور مشائخ حقہ سے اجازت یافتہ ہے تو وہ برحق ہے چاہے اس سے کرامتیں ظاہر نہ ہوں۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص کرامات کے نام سے خرق عادت شعبدے دکھلائے مگر وہ شریعت کا اتباع نہیں کرتا یا سنت کی مخالفت کرتا ہے تو وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

بعض غلط خیالات کی اصلاح

''جب پیر کامل مل جائے اور اس سے مرید ہونے کا ارادہ کرلے تو پہلے یہ سمجھ لے کہ مرید ہونے سے غرض کیا ہے۔ کیونکہ مرید ہونے سے لوگوں کی بہت سی غرضیں ہوتی ہیں۔ کوئی تو یہ چاہتا ہے کہ ہم کرامت والے ہو جائیں اور ہم کو کشف سے وہ باتیں معلوم ہونے لگیں جو اوروں کو معلوم نہیں ہوتیں۔ سو پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ خود پیر ہی میں یہ ہونا ضروری نہیں کہ اس سے کرامتیں ہوں۔ اس کو کشف سے ایسی باتیں معلوم ہو جایا کریں جو اوروں کو معلوم نہیں ہوتی ہیں تو بے چارہ مرید

اس کی کیا ہوس کرے گا۔ کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مرید ہونے سے پیر صاحب بخشش کے ذمہ دار ہو جائیں گے۔ قیامت میں وہ دوزخ میں نہ جانے دیں گے خواہ کیسے ہی برے کام کرتے رہو۔ یہ بھی محض غلط ہے۔''

خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا :

یا فاطمة انقذی نفسک من النار

''یعنی اے فاطمہؓ! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ'' یعنی عمل کرو۔

کوئی یہ سمجھتا ہے کہ پیر صاحب ایک نگاہ میں کامل کر دیں گے۔ ہم کو نہ محنت کرنا پڑے گی نہ گناہ چھوڑنے کا ارادہ کرنا پڑے گا۔ اگر اسی طرح کام بن جاتا تو صحابہ کرامؓ کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل ہوگا۔ گو کہیں بطور کرامت کے ایسا ہو بھی گیا ہے کہ کسی بزرگ نے ایک نگاہ میں کامل کر دیا، لیکن کرامت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ ہوا کرے اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر ولی سے کرامت ہوا کرے۔ اس بھروسے پر رہنا بڑی غلطی کی بات ہے۔

کوئی یہ کہتا ہے کہ خوب جوش و خروش اور شورش و مستی پیدا ہو خوب نعرے لگایا کریں۔ گناہ آپ سے آپ چھوٹ جائیں۔ گناہ کی خواہش مٹ جائے، نیک کاموں کا ارادہ ہی نہ کرنا پڑے۔ آپ سے آپ ہو جایا کریں۔ دل کے وسوسے اور خطرات سب مٹ جائیں۔ بس ایک بے نیازی کی کیفیت رہا کرے۔ یہ خیال پہلے سب خیالوں سے اچھا سمجھا جاتا ہے لیکن سبب اس کا ناواقفیت ہے۔ یہ سب باتیں کیفیات و حالات کہلاتی ہیں اور حالات کا پیدا ہونا آدمی کے اختیار سے باہر ہے اور حالات اگرچہ بہت عمدہ چیز ہیں۔ مگر مقصود نہیں۔ مقصود وہی چیز ہوسکتی ہے۔ جس کا حاصل کرنا اختیار میں ہو۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی خواہشوں میں نفس کا چھپا ہوا مکر ہے۔ وہ یہ کہ نفس آرام اور مزہ اور ناموری چاہتا

ہے۔ ان کیفیتوں میں یہ سب باتیں حاصل ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا طالب ہوگا ایسے شخص کو ان خواہشوں سے کیا تعلق۔ وہ تو اپنی حالت ایسی رکھے گا جیسے گویا یوں کہہ رہا ہو :

فراق و وصل چہ باشد رضاء دوست طلب
کہ حیف باشد از وغیراو تمنائے

یعنی جس کو تم فراق سمجھتے ہو اور جس کو وصال سمجھتے ہو۔ یہ دونوں برابر ہیں۔ اصل چیز اس کی رضامندی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اللہ کے سوا دوسری چیز چاہنا افسوس کے قابل بات ہے :

روز ہا گر رفت گو رو باک نیست
تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

یعنی کیفیتیں اور حالات اگر جاتے رہے تو کوئی افسوس نہیں۔ اللہ کا تعلق رہنا چاہئے۔ جس کے برابر کوئی چیز پاک نہیں :

بس زبون وسوسہ باشی دلا
گر طرب را باز، دانی ازبلا

یعنی اے دل ! بھی خیال فاسد ہی میں مغلوب ہے۔ اگر تو راحت اور مصیبت میں فرق سمجھے پھر یہ کہ ایسا شخص دوقسم کی خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ یہ کیفیتیں یا حاصل ہوں گی یا نہیں؟ اگر حاصل ہوگئیں تو بوجہ اس کے کہ یہ شخص اس کو درویش سمجھتا تھا اپنے کو کامل سمجھنے لگتا ہے اور ان ہی کیفیات پر بس کر کے پرہیز گاری اور عبادت سے بےفکر ہو جاتا ہے اور عبادات کی ضرورت اپنے لئے نہیں سمجھتا ہے یا کم سے کم عبادات کو بےقدر ضرور سمجھنے لگتا ہے اور اگر حاصل نہ ہوئیں تو غم میں مرنے گھلنے لگتا ہے اور کچھ اس کی خصوصیت نہیں بلکہ جو شخص بھی ایسی باتوں کی خواہش کرے گا جو اختیار سے باہر ہیں۔ غم اور پریشانی میں مبتلا رہے گا۔

کوئی کہتا ہے کہ پیر صاحب کے پاس عمل بڑے بڑے اچھے ہیں۔ جب ضرورت ہوگی۔ ان سے تعویذ گنڈے لے لیا کریں گے یا پیر صاحب کی دعا بہت قبول ہوتی ہے۔ مقدموں میں اور دنیا کی ضرورتوں میں ان سے دعا کرالیا کریں گے اور سب کام ہماری مرضی کے موافق ہو جایا کریں گے۔ گویا ساری خدائی پیر صاحب کے قبضہ میں ہے یا ہم ان سے ایسی چیز سیکھ لیں گے کہ ہم برکت والے ہو جائیں گے کہ ہمارے دم کر دینے سے اور ہاتھ پھیر دینے سے بیمار اچھے ہو جائیں گے بلکہ ایسے لوگ بزرگی ان ہی عملوں کو اور ان کے اثر کو سمجھتے ہیں چونکہ ان عملوں کو بزرگی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ نیت بالکل دنیا ہی کا چاہنا ہے۔ اس لئے غلطی در غلطی ہے۔

کوئی سمجھتا ہے کہ ذکر وشغل کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ کچھ روشنی دکھائی پڑے گی یا کوئی آواز سنائی دے گی ، یہ بھی غلط ہے اور ناسمجھی ہے۔ کیونکہ اول تو یہ ضروری نہیں کہ ذکر وشغل کرنے سے روشنی معلوم ہو یا آواز سنائی دے اور نہ ذکر و شغل کرنے سے روشنی وغیرہ کا دکھلائی پڑنا مقصود ہے۔ دوسرے ذکر وشغل کرنے سے جو روشنی نظر آئے یا جو رنگ دکھلائی دے یا جو آواز سنائی دے۔ بعض دفعہ یہ ذکر وشغل کرنے والے کے دماغ کا فعل ہوتا ہے۔ غیب کی کوئی چیز نہیں ہوتی تیسرے اگر مان بھی لیا جائے کہ غیب کی چیز دکھلائی پڑی یا غیب کی آواز سنائی پڑی تو اس سے کیا فائدہ ہوا۔ غیب کی آواز معلوم ہو جانے سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل نہیں ہو جاتی ، اللہ تعالیٰ کی نزدیکی تو اس کی عبادت اور فرمانبرداری سے حاصل ہوتی ہے۔ بعض دفعہ شیطانوں کو فرشتے دکھائی دیتے ہیں مگر وہ شیطان کے شیطان ہی رہتے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد کافروں کو غیب کی بہت سی باتیں معلوم ہو جائیں گی تو جو بات کافر کو بھی حاصل ہو جائے اگر وہ بات معلوم ہوگئی تو کیا کمال ہوگا۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ جتنی باتیں مذکور ہوئیں مقصود درویشی سے ان میں

سے کسی کا حاصل ہونا بھی نہیں ، اس لئے ان سب خیالوں کو دل سے نکال کر اصلی غرض اور مقصود درپیش سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی سمجھے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب حکموں کو بجا لائے اور ذکر پابندی سے کرے۔ پیر یہی بتلاتا ہے اور مرید اسی پر عمل کرتا ہے اگرچہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو اور نہ کوئی کمال اس کے خیال میں حاصل ہو تب بھی آخرت میں ذکر اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کے بجا لانے کا فائدہ کہ وہ اللہ کی رضا مندی ہے۔ ظاہر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی سے جنت میں داخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ دوزخ سے بچے گا۔

(تسہیل قصد السبیل۔ص، ۱۷)

بیعت کا ایک اور فائدہ

بیعت سند حدیث کی طرح ایک روحانی تسلسل۔ بیعت کا ایک اور فائدہ جو کہ مولانا محمد رفیع عثمانی، حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی ؒ سے نقل کرتے ہیں ''جس طرح مستند محدث وہی سمجھا جاتا ہے جس نے حدیث کسی مستند استاد سے باقاعدہ پڑھی ہو اور استاد نے اس کو روایت حدیث کی اجازت دی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث ہم تک اسی طرح پہنچی ہیں۔ جب استاد اپنے شاگرد کو کوئی حدیث سناتا ہے تو وہ اس کی سند بھی بیان کرتا ہے کہ میں نے یہ حدیث فلاں استاد سے اور اس استاد نے فلاں سے اور اس نے فلاں سے حاصل کی ہے۔ یہاں تک کہ سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتی ہے اور وہ حدیث بھی قابل اعتماد سمجھی جاتی ہے اور روایت کرنے والا شاگرد بھی۔ پھر وہ شاگرد خود بھی اس حدیث کی سند کے سلسلہ کی ایک کڑی بن جاتا ہے جو ایک بڑی سعادت ہے۔ روایت حدیث میں اس کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اب باقاعدہ متصل اور مستند ہوگیا ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے ائمہ حدیث اپنی سند کو متصل اور عالی کرنے کے لئے لمبے لمبے

سفر اسی لئے کرتے تھے۔

اسی طرح یہ بیعت کا سلسلہ ہے کہ یہ بھی سلسلہ کے تمام بزرگوں سے ہوتا ہوا ہمارے سب سے بڑے محسن و مرشد آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ اس بیعت کے ذریعہ ہم اس سلسلہ میں داخل ہو جاتے ہیں جس سے ہمارا تعلق ان تمام بزرگان سلسلہ سے حتیٰ کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باقاعدہ قائم ہو جاتا ہے اس سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور بزرگان سلسلہ کی برکات نصیب ہوتی ہیں اور سلوک کے تمام مراحل میں سہولت اور نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور مقصود تھوڑی سی محنت و توجہ سے بآسانی حاصل ہو جاتا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ جس طرح ہمارے سامنے کے اس بلب سے بجلی کے پاور ہاؤس تک کھمبوں کا ایک باقاعدہ سلسلہ ہے جو تاروں کے ذریعہ باہم مربوط اور منسلک ہیں۔ پاور ہاؤس کی بجلی اس بلب تک انہی تاروں اور کھمبوں کے ذریعہ پہنچ رہی ہے۔ اس طرح آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام معارف اور برکات و فیوض کا منبع و مخزن ہیں ان کا فیض ہم تک ان بزرگان سلسلہ کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ طریقت کے سلسلہ میں باقاعدہ داخل ہو جانے (یعنی بیعت ہوجانے) سے بزرگان سلسلہ کے ساتھ جو نسبت حاصل ہوئی ہے، وہ درحقیقت آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے۔ بشرطیکہ طلب صادق ہو اور مرید اپنے طبیب روحانی یعنی مرشد کو اپنے مختلف باطنی کیفیات کی اطلاع کرتا رہے اور مرشد کی ہدایات پر اہتمام سے عمل کیا جائے۔ (البلاغ۔ حضرت عارفی نمبر۔ ص ۱۵۴)

باب چہارم

شیخ کے وصال کے بعد

بعض حضرات کی ابھی اصلاح اور علاج باطنی کی تکمیل نہیں ہوتی اوران کے پیر کا انتقال ہو جاتا ہے۔ ان میں بعض تو بعد والوں میں سے کسی سے رجوع کر کے اپنا سلوکی سفر جاری رکھتے ہیں اور بعض کسی سے رجوع نہیں کرتے اور محروم رہتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بیعت کی مختلف قسمیں بیان فرمائی ہیں جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے ان میں بیعت طریقت کی تین قسموں کا ذکر فرمایا ہے۔ بیعت توبہ، بیعت تبرک اور بیعت تاکد عزیمت جس کو بیعت سلوک بھی کہتے ہیں ،اپنی باطنی اصلاح کروا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کو سلوک الی اللہ کہتے ہیں اور اس راستے پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں۔ سالک کے تین درجے ہیں۔ مبتدی، متوسط اور منتہیٰ۔ سالک جب تک منتہیٰ کے درجے کو نہ پہنچ جائے، اس کو شیخ کامل کی ضرورت رہتی ہے۔ جیسا کہ امداد السلوک میں لکھا ہے ''جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔''

ظاہری امراض کے علاج کے دوارن اگر معالج کا انتقال ہو جائے تو کسی دوسرے ڈاکٹر یا حکیم سے رجوع کیا جاتا ہے اسی طرح باطنی امراض کا بھی ہے کہ جب تک کامل شفاء نہ ہو جائے یا شفاء کا وہ درجہ حاصل نہ ہو جائے جس کے بعد معالج کی عادتاً ضرورت نہیں رہا کرتی اس وقت تک کوئی نہ کوئی زندہ پیر ہونا

چاہئے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پیر صاحب کا فیض انتقال کے بعد بھی جاری ہے اس لئے ہمیں کسی اور سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ خیال لاعلمی اور ناواقفی کی بناء پر ہے۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کی تکمیل ہو چکی ہے۔ وہ قوی النسبت ہو چکے ہوں تاکہ اپنی نسبت کی قوت سے استفادہ کر سکیں، لیکن جن کی تکمیل نہیں ہوئی ہے۔ ان کے لئے تو زندہ پیر نہایت ضروری ہے۔ علاج اور اصلاح تو زندوں ہی سے ہوتی ہے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ فرماتے ہیں :

''بس جاننا چاہئے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور مقبولوں کے لئے موت ایک ایسا پل ہے کہ ان کو اپنے دوست تک پہنچا دیتا ہے اور ان کو ایسے انعام اور معارف عطا ہوتے ہیں کہ اس جہاں میں زندوں کو بہت کم ملا کرتے ہیں۔ اس بناء پر ان کو زندہ کہنا چاہئے لیکن اس جہاں کے حکموں کی طرف نسبت کرنے سے بیشک وہ مردہ ہیں جو قدرت اور طاقت اس جہاں کے زندوں کو حاصل ہے ان کو ہرگز نہیں۔ اور اگر فی الواقع ایسی قدرت اور طاقت اور قبروں کی مجاورت سے مقصود حاصل ہو جاتا تو سارا جہاں مدینہ منورہ کو چلا جاتا اور تربیت اور ارشاد کا سلسلہ بالکل لغو اور بے فائدہ ہو جاتا۔ پس واضح ہو گیا کہ لوگوں کی تربیت اور ارشاد میں عادۃ اللہ اسی طرز پر جاری ہے کہ فیوض باطنی زندوں سے حاصل کئے جائیں۔ (صراط مستقیم۔ص،۸۹)

لہٰذا ایسے لوگ جن کے پیر کا انتقال ہو چکا ہو اور ان کو بیعت کی اجازت نہ ملی ہو یا اجازت تو ملی ہو مگر مشروط ہو کہ فلاں سے تعلق رکھا جائے ایسے لوگوں کو

کسی زندہ پیر سے رجوع کرنا چاہئے۔ ان کے مرحوم پیر نے کسی شخص کے بارے میں فرمایا ہو کہ فلاں سے تعلق رکھنا تو اس سے رجوع کیا جائے اور اگر کسی خاص شخص کے بارے میں کوئی ارشاد نہ فرمایا ہو تو ایسے شخص کو چاہئے کہ اپنے شیخ کے خلفاء میں سے یا دوسرے مشائخ حقہ میں سے جس کے ساتھ مناسبت ہو اور اس میں پیر بنائے جانے کی ساری شرائط بھی موجود ہوں، اس سے رجوع کرے اور اس کی رہبری اور نگرانی میں راہ سلوک طے کرے۔

بعض لوگوں سے ایک غلطی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ کسی شیخ سے رجوع تو کرنا چاہتے ہیں مگر وہ ان صفات کو بعد والوں میں تلاش کرتے ہیں۔ جو ان کے مرحوم شیخ میں تھیں اور جب ان میں وہ صفات نہیں ہوتیں تو وہ رجوع نہیں کرتے اور اس طرح چلتے چلتے رک جاتے ہیں اور چونکہ آدمی کو ایک حالت پر استقرار نہیں ہوا کرتا یا ترقی کرے گا یا تنزل تو چونکہ ان کی ترقی رک جاتی ہے تو وہ حضرات تنزل کی طرف گرتے چلے جاتے ہیں، جس کا انہیں احساس بھی نہیں ہوتا۔ مرشد حضرت شیخ ؒ تحریر فرماتے ہیں:

> ''ایک ضروری تنبیہ یہ بھی ہے کہ اکابر کے دیکھنے والے اور ان سے متمتع ہونے والے ان کے وصال کے بعد انتہائی محرومیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ کہ اکابر کے جانے کے بعد وہ بعد والوں کا مقابلہ جانے والوں سے کرتے ہیں۔ یہ بڑی غلطی کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے بعد والوں کے فیوض و برکات سے محروم رہتے ہیں۔''

اس لئے بہت ہی ضروری تنبیہ، نصیحت اور وصیت ہے کہ میرے دوست احباب بعد والوں کو اس نگاہ سے نہ دیکھا کریں جس نگاہ سے جانے والوں کو دیکھا بلکہ اس نگاہ سے دیکھا کریں کہ ان کے بعد ایسا بھی نہیں ملنے کا اور ظاہر بات ہے

کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں تو بقیہ انبیاء میں بھی نہیں تھیں چہ جائیکہ صحابہ کرامؓ اور پھر صحابہ کرامؓ کی خوبیاں حضرات تابعین میں اور ھلم جراً رہنے والوں میں جانے والوں کی عادات کو تلاش کرنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے جبکہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے :

لَا يَأْتِي عَلَيْكُمْ عَامٌ اِلَّا وَبَعْدَهٗ شَرٌّ مِنْهُ اَوْ كَمَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

''کہ تم لوگوں پر کوئی سال اب ایسا نہیں ہوگا کہ بعد والا اس سے بد نہ ہوگا۔'' (آپ بیتی۔ ج ۶۔ص ۴۳۵)

ایک اور اہم بات یہ کہ بیعت ایسے پیر سے ہو جس میں پیر بننے کی دیگر شرائط کے علاوہ اپنے سے مناسبت بھی ہو اور اس کی صحبت میں آنا جانا اور اس سے استفادہ کرنا آسان بھی ہو، چاہے وہ چھوٹے درجہ کا ہو بعض لوگ بیعت کے لئے بڑا بزرگ تلاش کرتے ہیں چاہے اس سے مناسبت نہ ہو یا اس کی صحبت میں آنا جانا اور استفادہ کرنا کتنا ہی دشوار ہو۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ ، حضرت گنگوہیؒ کی حیات ہی میں ان کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے تھے۔ نیز حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ، حضرت شیخ الہندؒ وغیرہ حضرات سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی حیات میں ان کے خلیفہ حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہوئے تھے اور اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں کہ بڑوں کی موجودگی میں چھوٹے سے بیعت کی گئی اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت اعلیٰ مراتب پر فائز فرمایا کہ ہادیٔ مطلق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ باقی سارے اسباب ہیں۔

ایک غلطی بعض ناواقفوں سے یہ ہوتی ہے کہ بیک وقت کئی مشائخ سے بیعت ہو جاتے ہیں۔ یہ اصول کے خلاف ہونے کے علاوہ مضر بھی ہے۔ ایک وقت

میں ایک ہی شیخ سے بیعت ہونا چاہئے اور اس کی زندگی میں کسی اور سے بیعت نہ ہوں بشرطیکہ وہ مشائخ حقہ میں سے ہو۔ متبع شریعت، متبع سنت اور اس کے اندر شیخ و پیر بننے کی ساری شرائط موجود ہوں۔

الحمد للہ بیعت کے سلسلہ کی ضروری باتیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے تحریر ہوگئیں۔ جاننے والوں کی خدمت میں درخواست ہے کہ اس میں جو غلطیاں رہ گئی ہوں اور یقیناً رہی ہوں گی ان کی نشاندہی براہ کرم فرما دیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

وصلی اللّٰہ تبارک و تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا

و مولانا محمد و اٰلہٖ وصحبہٖ واتباعہٖ اجمعین

دارالاشاعت کی مطبوعہ فقہی کتب ایک نظر میں

خواتین کے مسائل اور انکا حل ۲ جلد ——— جمع وترتیب مفتی ثناء اللہ محمود فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

فتاویٰ رشیدیہ مبوّب ——— حضرت مفتی رشید احمد گنگوہیؒ

کتاب الکفالۃ والنفقات ——— مولانا عمران الحق کلیانوی

تسہیل الضروری لمسائل القدوری ——— مولانا محمد عاشق الٰہی البرنیؒ

بہشتی زیور مُدَلّل مکمّل ——— حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رح

فتاویٰ رحیمیہ اردو ۱۰ حصے ——— مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری

فتاویٰ رحیمیہ انگریزی ۳ حصے ——— " " "

فتاویٰ عالمگیری اردو ۱۰ جلد مع پیش لفظ مولانا محمد تقی عثمانی ——— اورنگ زیب عالمگیر

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۲ حصے ۱۰ جلد ——— مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲ جلد کامل ——— مولانا مفتی محمد شفیع رح

اسلام کا نظام اراضی ——— " " "

مسائل معارف القرآن (تفسیر معارف القرآن میں مذکور قرآنی احکام) " " "

انسانی اعضاء کی پیوندکاری ——— " " "

پراویڈنٹ فنڈ ——— " " "

خواتین کے لیے شرعی احکام ——— اہلیہ ظریف احمد تھانوی رح

بیمہ زندگی ——— مولانا مفتی محمد شفیع رح

رفیق سفر سفر کے آداب واحکام " " "

اسلامی قانون نکاح، طلاق، وراثت ——— فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

علم الفقہ ——— مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رح

نماز کے آداب واحکام ——— انشاء اللہ خان مرحوم

قانون وراثت ——— مولانا مفتی رشید احمد صاحب

داڑھی کی شرعی حیثیت ——— حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

الصبح النوری شرح قدوری اعلیٰ ——— مولانا محمد حنیف گنگوہی

دین کی باتیں یعنی مسائل بہشتی زیور ——— مولانا محمد اشرف علی تھانوی رح

ہمارے عائلی مسائل ——— مولانا محمد تقی عثمانی صاحب

تاریخ فقہ اسلامی ——— شیخ محمد خضری

معدن الحقائق شرح کنز الدقائق ——— مولانا محمد حنیف گنگوہی

احکام اسلام عقل کی نظر میں ——— مولانا محمد اشرف علی تھانوی رح

حیلۂ ناجزہ یعنی عورتوں کا حق تنسیخ نکاح " " " "

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا آج وہی انسان نفسانیت سے مغلوب ہو کر اعلیٰ اخلاقی اقدار اور لطیف جذبات سے محروم جانوروں کی زندگی گزار رہا ہے۔ روح و روحانیت سے غافل ہے بالخصوص جن لوگوں کو اللہ نے ہدایت و ایمان کی روشنی سے مالا مال کیا وہ اہلِ مغرب کی اندھی تقلید میں گناہوں کی دلدل میں پھنس کر احکامِ الٰہی سے بے نیاز ہو کر غفلت کی زندگی گزار رہے ہیں حتی کہ اخلاق کی درستگی، نفس کا تزکیہ، باطن کی اصلاح کو ہدفِ تنقید بنایا جا رہا ہے جبکہ نبی ﷺ کا ایک کام تزکیہ نفس بھی تھا۔

زیرِ نظر رسالہ ''بیعت کی حقیقت'' میں بیعت کی حقیقت، ثبوت، شرعی حیثیت، ضرورت، فوائد و اقسام بیان کرتے ہوئے اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ بیعت ہی روحانی کفالت کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ نے امّت کی اصلاح کے لیے جن مصلحین مجددین کو چنا وہ اعلیٰ درجہ کے خدا ترس تھے۔ تزکیہ نفس کے بغیر انہیں یہ مقام حاصل نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ اسلام کی کامل اتباع نصیب فرمائے۔

E-mail: ishaat@pk.netsolir.com
ishaat@cyber.net.pk

بیعت کی حقیقت